بسم الله الرحمن الرحيم

خالی صفحہ

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین

تالیف:

مزمل خاتون

خالی صفحہ

یادِ مدینہ

کوئل کی نوا یاد نہ کومل کی صدا یاد
آتی ہے مدینہ کے مؤذن کی ندا یاد
گلشن کی ہوا یاد نہ جنت کی فضا یاد
دیکھا جو مدینہ تو مجھے کچھ نہ رہا یاد
زر تار عبارات سے لپٹی ہوئی کرنیں
پردوں میں وہ سمٹی ہوئی رحمت کی گھٹا یاد
میں نے جو سنا گوش تخیل سے لگا تار
اب تک وہ نغمہ بے ساز صدا یاد

حافظ بصیر پوری

فہرست

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	تقریظ......حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ	13
2	تقریظ......مولانا محمد حسن اکرم صاحب، فاضل جامعہ اشرفیہ	14
3	مقصد تصنیف	15
4	حرفِ مدعا	19
5	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	24
6	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	33
7	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	44
8	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	51
9	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	57
10	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ	63
11	حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ	68
12	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ	71
13	سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	74
14	حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	79
15	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	81
16	حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ	86

17	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ	95
18	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	101
19	حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	106
20	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	113
21	حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	117
22	حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	121
23	حضرت ابودجانہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	124
24	حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ	126
25	حضرت ابوطلحہ بن براء انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	130
26	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	133
27	حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	140
28	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	143
29	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	147
30	حضرت سعد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ	152
31	حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	155
32	حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ	157
33	حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	160
34	حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	162
35	حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	166
36	حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ	168
37	حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	170

38	حضرت ابورہم منحور غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	174
39	حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	176
40	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	178
41	حضرت سعیدؓ بن یربوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ	182
42	حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	184
43	حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	188
44	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	190
45	حضرت بدیل بن ورقا رضی اللہ تعالیٰ عنہ	195
46	حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	197
47	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	201
48	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	203
49	حضرت ابوسلمہ مخزومی وام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	206
50	حضرت براء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ	209
51	حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	211
52	حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	215
53	حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	217
54	حضرت ابوخثیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	219
55	حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	220
56	حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول رضی اللہ تعالیٰ عنہ	222
57	محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	224
58	حضرت ابوالہیثم مالک بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	227

59	حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	229
60	حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	233
61	حضرت قتادہ بن نعمان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	235
62	حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	238
63	حضرت عمرو بن جموح سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	240
64	سیدنا ارقم بن ابی الارقم مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	242
65	حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	244
66	حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	246
67	حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ	248
68	حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	250
69	عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ	253
70	حضرت عبداللہ بن عبدنہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	257
71	حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	260
72	حضرت حارث بن ابی حالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	262
73	حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	263
74	حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	266
75	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ	267
76	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	269
77	حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ	271
78	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	273
79	حضرت احیرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	277

80	حضرت عبداللہ بن مخزمہ عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	279
81	حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	281
82	حضرت ثمامہ بن آثال حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	283
83	حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	286
84	حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ	288
85	حضرت سلمیٰ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ	290
86	حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	294
87	حضرت ابوفکیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	296
88	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ	298
89	حضرت عتاب بن اُسید اُموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	300
90	حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ	302
91	حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	304
92	حضرت عبدؓاللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	306
93	حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ	309
94	حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	311
95	حضرت فرداؓ بن عمرو الجذامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	313
96	حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ	315
97	حضرت ابوعقیل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	317
98	حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	319
99	حضرت حریم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ	321
101	حضرت عبداللہ بن ابی حدود رضی اللہ تعالیٰ عنہ	323

102	حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	325
103	حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	327
104	حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ	329
105	حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	331
106	عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مختصر واقعات	335
107	حوالہ جات	352

''انتساب''

اُن عاشقان محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام جن کی داستان عشق ومحبت کو تاریخ عالم کبھی فراموش نہیں کرسکتی جس قتل گہہ عشاق سے سبق لئے بغیر کوئی بھی منزل عشق ومحبت کو پانہیں سکتا۔ ہر اُس جان ودل، دماغ و روح کی طرف جو عشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوچ میں مستغرق ہے۔ ہر اُس شخص کی طرف جس کا محور ومرکز صرف اور صرف عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ انہی کے وسیلہ سے اس کتاب کو دربار گوہر بار حضور سید عالمؐ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہوں۔

مرد خدا کا عمل، عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

(اقبالؒ)

تقریظ

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد

زیرِ نظر کتاب ''عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین'' جو محترمہ مزمل خاتون صاحبہ نے مرتب کی ہے۔ مصروفیات وضعف کی بناء پر مکمل کتاب کا مطالعہ تو نہ کر سکا البتہ چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھا ماشاءاللہ عمدہ اور باحوالہ تحریر ہے۔ ان شاءاللہ یہ کتاب اپنے قارئین کے لیے فائدہ مند ہوگی۔ اللہ جل شانہ اپنی بارگاہ میں اس کاوش کو قبول فرمائے۔

میرے بڑے بھائی جان مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت عطا فرما، عظمت کے صدقے میں محبت عطاء فرما اور محبت کے صدقے اطاعت عطا فرما۔ اللہ جل شانہ ہمیں صحیح معنوں میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محتاجِ دُعاء

فضل الرحیم

حافظ فضل الرحیم

مہتمم، جامعہ اشرفیہ لاہور

تقریظ

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد

میری انتہائی محبوب خالہ جان محترمہ مزمل خاتون صاحبہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت، عافیت اور ایمان والی لمبی زندگی عطاء فرمائے۔ احقر کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتی ہیں۔ وقتاً فوقتاً رہنمائی بھی کرتی رہتی ہیں ان کی زندگی یقیناً ہمارے خاندان کے لیے باعث برکت ہے۔

2016ء میں الحمدللہ ان کے ساتھ حج کی سعادت نصیب ہوئی اور ان کے توسط سے بہت سی برکات حاصل ہوئیں تصنیف وتالیف سے خاصہ شغف رکھتی ہیں اس سے قبل بھی متعدد کتب تصنیف کر چکیں ہیں۔

اور اب یہ نئی تصنیف بنام عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین منظر عام پر آ رہی ہے۔ اللہ جل شانہ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کتاب کے صدقے موصوفہ کو اور ہمیں بھی شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نصیب فرمائے۔

آمین یارب العالمین

دُعا گو و دُعا جو

محمد حسن اکرم

فاضل، جامعہ اشرفیہ لاہور

مقصدِ تصنیف

یا اللہ! جس مصد کے لئے کمر ہمت باندھ رہی ہوں اُسے خالصتاً اپنی ذات کے لئے قبول فرمالے۔ میری استدعا و التجا ہے کہ تیری رضا کے علاوہ نہ کوئی دوسرا خیال میرے ذہن میں گزرے اور نہ ہی میری نیت میں تیرے سوا کوئی دوسرا مقصد کارفرما ہو، یہ بھی واضح رہے کہ میں دوسروں سے زیادہ اپنے آپ سے مخاطب ہوں۔

تو ہی اوّل ہے تو ہی آخر ہے، تو ہی ظاہر ہے تو ہی باطن ہے۔ نہ تجھ سے پہلے کچھ تھا نہ ہی تیری ذات کی کوئی انتہا ہے تو ہر چیز پر قادر ہے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گل ہائے رنگا رنگ تو پہلے موجود ہیں، میں تو محض اپنے ذوق کی تسکین کے لئے ایک گلدستہ بنانا چاہتی ہوں۔ میری آرزو ہے کہ یہ گلدستہ نہایت خوبصورتی سے سجا سکوں اگر کامیاب ہوگئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم سمجھوں گی اور اگر ناکام رہی تو یہ میری کوتاہی ہوگی۔ میں اس تحریر سے اپنی تربیت اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہتی ہوں، شائد میں اللہ کے سامنے اپنی یہ حقیر کوشش پیش کر کے سرخرو ہوسکوں۔ میں خود تو نیکی وتقویٰ سے دور ہوں مگر نیک لوگوں سے محبت ضرور کرتی ہوں، شائد اللہ رب العزت میری اس محبت کے صدقے مجھے بھی اُن لوگوں کے زمرے میں شامل کردے۔

صحیح مسلم اور ترمذی میں حضرت انس بن مالکؓ کی ایک حدیث نقل ہوئی ہے کہ ایک شخص محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس شخص کے بارے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں جو نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہے مگر نیکی میں ان کے مقام کو نہیں پہنچتا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''المرء مع من احب'' یعنی جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔''

(شہید محراب عمر بن خطابؓ، عمر تلمسانیؒ ص29)

اس کتاب کی ترتیب میں میری کوئی دینی وعلمی اعتبار سے ایسی حیثیت نہیں ہے جس کی بنا پر

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین جیسے عظیم موضوع پر لکھنے کی جسارت کروں۔ مطالعہ کے دوران جس مقدس وعظیم ہستیوں نے متاثر کیا ان کو کتاب کی شکل دے دی گئی ہے۔

میں نے اس کتاب میں خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ رضوان اللہ اجمعین کے سوا دوسرے صحابہ کرامؓ کے ناموں اور تذکروں میں قصداً کسی خاص ترتیب کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ دوران مطالعہ جن صحابہ کرامؓ کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر پڑتی رہی۔ ان کو نوٹ کرتی رہی، یہاں تک کہ میری نوٹ بک بڑھتے بڑھتے ایک کتاب بن گئی کیونکہ میرا اصل مقصد تو صحابہ کرامؓ کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ تھا، خواہ صغار صحابہ کرامؓ کا ذکر پہلے ہو یا کبار صحابہ کرامؓ کا، اس سے اصل مقصد میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس نے مردان حق کی ایسی جماعت تیار کی جس نے پرچم حق کو ہمیشہ بلند رکھا، جس طرح سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی تمام صفات وکمالات کی جامع اور انسانیت کی معراج ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ سیرت وکردار کے اعتبار سے اتنے ارفع واعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر آج تک ان سے بہتر کسی انسان پر آفتاب طلوع نہیں ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اپنی جان ومال اور اولاد کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ یہ لوگ اسلام کا صحیح پیکر اور قرآن و حدیث کا عملی نمونہ تھے۔ مسلمانوں کے پاس قرآن وحدیث کے بعد اگر کوئی بہت نایاب اور قابل فخر چیز ہے تو وہ ان کے اسلاف کی تاریخ ہے۔ جس کو پڑھ کر ایمان کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔

وقت کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اس زریں تاریخ اسلاف سے بے بہرہ نہ ہونے دیں۔ ان کے سینوں میں ایمان کی جو شمع ابھی روشن ہے اس کی حفاظت کے لئے ایسا فانوس مہیا کر دیں جو کفر والحاد اور مغربی تہذیب کی اس تیز وتند آندھی کے تھپیڑوں میں ان کی حفاظت کر سکے۔

اگر کوئی قوت قرآن وحدیث کے بعد مایوسیوں سے بچاتے ہوئے عزم نو عطا کرنے کا باعث بنتی ہے تو وہ صرف اور صرف صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی سیرتوں کا مطالعہ ہے۔ اس لئے کہ جب ان مقدس ہستیوں نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا تو وہ معاشرہ اس موجودہ دور سے بڑھ کر فکری وعملی

انتشار کا شکار تھا، اپنے اسلاف کے کارناموں، اخلاق وکردار سے واقف ہوئے بغیر اصل اسلام سے واقف نہیں ہو سکتے۔

وقت کی اسی ضرورت کے پیش نظر اس کتاب میں صحابہ کرامؓ کے جتنے بھی مختصر واقعات و قصے اب تک نقل کئے گئے ہیں وہ سب کے سب عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے کرشمے تھے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ان حضرات کی والہانہ زندگی کا سبب تھی۔ جس کی وجہ سے انہیں نہ جان کی پرواہ تھی......نہ زندگی کی تمنا......نہ مال واولاد کا خیال......نہ موت سے ڈر...... جب عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین'' میں صحابہ کرامؓ کے صرف وہی مختصر حالات درج کئے گئے ہیں جن سے ان کی محبت وجاں نثاری حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت ہے۔''

یہ مختصر سی پہلی پیش کش ہے اس کتاب میں جہاں جہاں کوئی خامی رہ گئی ہے وہ میری کوتاہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور قارئین کو توفیق دے کہ ایسے ہر مقام پر نشاں دہی کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔

عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات
عشق سے نور حیات، عشق سے نارِ حیات

☆☆☆

اظہارِ تشکر

اللہ تبارک وتعالیٰ میری بشری کمزوریوں کو معاف فرمائے اور اس کاوش کو قبول فرمائے۔ خدا کرے میرا یہ مجموعہ میرے لئے ذریعہ نجات بنے۔ آمین یارب العالمین!

حقیقت یہ ہے اس مقدس عنوان پر لکھنے سے میری تحریر کو فروغ ملا ہے۔ میری معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔ دل کو سکون واطمینان نصیب ہوا ہے۔

سیدنا حضرت حسان بن ثابتؓ فرماتے ہیں۔ (ترجمہ) میں نے اپنے کلام سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف نہیں کی بلکہ اپنے کلام کو حضور علیہ السلام کے نام مبارک سے مزین کرلیا ہے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبه و علی آله وصحبه وسلم

حرفِ مُدّ عا

''اتباع مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم ہی رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق میں بڑا حسن ہے۔اس پوری کائنات میں خالق ارض وسمانے بے شمار خوبصورت اشیاء پیدا کی ہیں مگر حاصل کائنات، ختم الرسل مولائے کل سیدنا محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم ہی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے اسوہ حسنہ کا نور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں منتقل ہوا، یہ نفوس قدسیہ آسمانی ہدایت کے ستارے اور زندگانی کی گزرگاہوں میں روشنی کے مینار ہیں، ان میں سے ہر ایک کی اپنی شان ہے۔یہ وہ روشن ستارے ہیں جو براہ راست نور رسالت صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم سے مستفید ہوتے رہے۔یہی قرآن مجید کے مخاطب اوّل ہیں، ان کی روشنی زمانے کی گردشوں سے ماند نہیں پڑسکتی۔

یہی وہ قابل احترام ہستیاں ہیں جن کو نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم سے بلاواسطہ شرف تربیت وتلمذ حاصل ہوا۔یہ سدابہار پھول ہیں، تاریخ اسلام کی اساس و بنیاد کی خشت اول صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین ہی کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی شخصیت کے بعد صحابہ کرامؓ ہی اس مقام پر ہیں کہ ان کی اتباع کی جائے، یہ فی الحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم ہی کی دعوت کے مختلف پر ہیں، ان میں سے ہر ایک سے محبت ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم سے محبت وعقیدت کا لازمی تقاضا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

بلاشبہ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم اور عشق محمدی صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم ہی ہماری زندگیوں کا سب سے قیمتی متاع ہے۔ہم جس وجود مقدس ومطہر صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے تمام کائنات انسانی میں سے ہر طرح کی محبوبیت اور محمودیت کے لئے چن لیا۔محبوبیت عالم کا خلعت اعلیٰ صرف اسی کے وجود اقدس پر راس آیا۔

وہ عظیم المرتبت اور مقدس انسانوں کا گروہ جنہوں نے آیات الٰہی کو لسان وحی ترجمان سے سنا اس کی تصدیق کی اور جو قرآن واحادیث کے وارث ہیں، انہوں نے ان کو اپنے سینوں میں محفوظ کر کے آئندہ نسلوں تک پہنچایا، اُن کے دماغ ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منور تھے۔ یہاں آیات ربانی کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اخلاق و عادات کی تہذیب و تربیت ہوتی تھی، جن کے ہاتھ میدان جنگ میں شمشیر بکف ہوتے، جن کی زندگی اور موت صرف اسلام کے لئے وقف تھی۔ یہ جوش محبت اور ذوق عشق ہم لوگوں کی طرح محض زبانی دعویٰ نہیں تھا صحابہ کرامؓ نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین کے پھیلانے میں بے انتہا تکالیف اور مشقتیں برداشت کیں، تاریخ کی کتب ان واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ ان پر عمل کرنا تو درکنار ہم ان کے معلوم کرنے کی بھی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔

اسلام کے فروغ میں سب سے زیادہ اہمیت جس چیز کو حاصل ہے وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے۔ اس عشق کا ہی کرشمہ تھا جس نے ان لوگوں کو سیلاب باطل کے مقابلے میں دیوار حق بنا دیا تھا۔ اس عشق ہی کا کرشمہ تھا جو قیصر و کسریٰ جیسی عظیم طاقتوں کے سر چڑھ کر بولا۔ یہ حُب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشق مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھا جس نے میدان وفا میں حسین بن علی کرم اللہ وجہہ، کو صبر، زید بن دشنہؓ کو استقلال، بلالؓ اور صہیبؓ کو ثابت قدمی، خالد بن ولیدؓ کو شجاعت و اولوالعزمی عطا کی تھی۔ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سوز و تپش نے ہی تو عرب کے صحرا نشینوں کو تاج ایران اور تخت روم کا مالک بنایا تھا۔ اسی جذبے نے انہیں زندگی کے ہر میدان میں کامیابی و کامرانی عطا کی تھی۔

داعی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب پیغام حق وراست دیا تو ان کی آواز پر لبیک کہنے والے چند غلام، کچھ نو عمر لڑکے، کچھ عورتیں اور کچھ بوڑھے تھے۔ مادی اعتبار سے دیکھا جائے تو ایک شخص جس کے پاس نہ کوئی طاقت وحکومت، نہ مال و دولت اور نہ کسی کی امداد۔ تیرہ (13) سال کی مسلسل کوشش و جستجو کے بعد ایک مختصر جماعت تیار ہوئی۔ مگر اصل چیز یہ تھی ان کی عشق کی بلندیاں آسمان کو چھونے والی تھیں۔ ان پر مصائب واذیتوں کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ کبھی جلتی ریت پر گھسیٹے جاتے ہیں تو کبھی......لوہے کی زرہیں پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ کبھی چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دی جاتی ہے۔ کبھی انگاروں پر لٹایا جاتا ہے۔ ان کے محبوب جان سے

پیارے صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کا بھی یہی حال ہے کہ کبھی ان کو قریش کے سردار زخمی کر دیتے ہیں۔ کبھی انؐ کی گردن میں چادر ڈال کر گھسیٹا جاتا ہے اور کبھی...... سجدہ کی حالت میں ان کی پشت پر غلاظت رکھ دیتے ہیں۔

لیکن انہیں نہیں معلوم کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی جو چنگاری اُن کے سینوں میں پوشیدہ تھی اب وہ شعلہ بن چکی ہے۔ دشمن کی ہر ممکن کوشش کے باوجود اس جماعت حق کو نہ مٹا سکے اور اس کا پیغام سورج کی روشنی کی طرح اس عالم کو منور کرتا چلا گیا۔

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

دراصل اس عشق رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے ایک ایسی جماعت تشکیل دی تھی جن کی زندگی کا حاصل...... محمدؐ!...... محمدؐ!...... محمدؐ!!!...... کے سوا کچھ نہ تھا۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں میں اسرارِ شہنشاہی

یہ ایک ایسا گروہ تھا جو فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم تھا۔ ان کا کردار اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم تھا۔ ان کا کردار اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے سانچہ میں ڈھل چکا تھا۔ یہ پوری طرح عشق رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی شراب میں مست رہتے تھے۔ قول رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کا اتنا پاس تھا کہ جو لفظ زبان مبارک سے نکلتا تھا اس کا پورا کرنا ان کا ایمان بن چکا تھا۔ آپؐ کے وضو کا پانی ان کے لئے آب حیات تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کا لعاب دہن اُن کو شفا بخشتا تھا۔ اُن کی زندگی کی کل کائنات بس آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم ہی تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی حیات طیبہ مبارکہ پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جائیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی ذات اور صفات اتنی جامع اور بزرگ و برتر ہیں کہ کسی ایک مصنف کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی حیات طیبہ کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کر سکے۔

نگاہ عشق مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰس وہی طٰہٰ

یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا پیدا کیا ہوا جوش تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر میں لشکر کو ترتیب دیتے ہیں تو بچے اپنا قد لمبا ظاہر کرنے کے لئے ایڑیاں اوپر اٹھا لیتے ہیں۔ بوڑھے اپنا سینہ پھیلا کر اکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ کہیں ان کی کمزوری کی بنا پر انہیں جنگ میں شرکت سے روک نہ دیا جائے اور وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں جان دینے سے محروم نہ رہ جائیں۔

اب جبکہ پوری انسانیت آزادی و بگاڑ کی طرف تیزی سے سرگرم سفر ہے، بے یقینی اور انتشار نے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، جہاں ہم مسلمانوں میں دین کے اور بہت سے امور میں کوتاہی ہو رہی ہے وہاں حضرات صحابہ کرامؓ کی حق شناسی اور ان کے ادب و احترام میں بھی بے حد کوتاہی ہو رہی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پروا لوگ تو ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں حالانکہ صحابہ کرامؓ دین کی بنیاد ہیں، دین کے اول پھیلانے والے ہیں۔ انہوں نے زندگی کے ہر میدان میں ایسی بے مثال قربانیاں دیں کہ ان کا انفرادی و اجتماعی کردار ابد تک فرزندان توحید کے لئے منارہ نور بن گیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان شیدائیوں اور عشاق کی زندگیوں سے عشق رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے عنوان سے کچھ واقعات مرتب کئے ہیں تاکہ ان شیدائیوں اور عشاق کے کردار کا اندازہ ہو سکے، اگر یہ عشق، ذوق وشوق اور جوش و ولولہ پیدا ہو جائے تو یقیناً ہم بھی عشاق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فہرست میں شامل ہو سکتے ہیں۔

ذوقِ حاضر ہے تو پھر لازم ہے ایمانِ خلیل
ورنہ خاکستر ہے تیری زندگی کا پیرہن

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہے؟

مومن کے دل کا ایسا لگاؤ کہ وہ اس ذات کے سامنے اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہو جائے، اس کے والدین، اولاد، بہن بھائی، قوم، قبیلہ، مال و دولت، گھر، تجارت، عیش پسند زندگی اور اس کے سب لوازمات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہ رکھتے ہوں بلکہ اسے اپنے آپ سے بھی وہ محبت نہ ہو جیسی خالص محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہو۔ اپنے قول اور عمل سے مسلسل اس محبت کو پیش کرتا رہے اور یہ اس کے اعمال کی فہرست میں

سب سے قیمتی توشہ ہو۔ اگر مومن کی زندگی سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکال دیا جائے تو ایمان نامکمل رہ جاتا ہے۔ اسی لئے شاعر نے کہا:

محمدؐ کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

میں یہ چاہوں گی کہ ان درج ذیل واقعات کو تاریخی قصوں کی حیثیت سے پڑھنے کی بجائے اس کا جائزہ تاریخ کے روشن باب کی حیثیت سے لیا جائے، اسی صورت میں ہم اپنے موجودہ دور کی تاریخ کے سیاہ باب کو سنہری ابواب میں تبدیل کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

عفوو مغفرت کی طالبہ

مزمل خاتون

عظیم المرتبت، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''اے وہ کہ جس سے بنائے عشق ومحبت ہے استوار''

1- حضرت ابوبکر صدیقؓ عشرہ مبشرہ میں سر فہرست ہیں۔ پیکر صدق و وفا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے کئی مرتبہ جنت کی بشارت وخوشخبری دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی صداقت وراست گوئی کے اس قدر قائل تھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے آپؓ کو اسلام کی دعوت دی تو آپؓ نے بغیر دلیل وثبوت فوراً اسلام قبول کرلیا اور نصرت اسلام کا وعدہ فرمایا۔ ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی ساری دولت، قوت، طاقت اور قابلیت، یہاں تک کہ اپنی اولاد بھی دین حق کی راہ میں وقف کردی۔

قبول اسلام کے بعد آپؓ کی تمام زندگی دین اسلام کے لئے اطاعت واستقامت سے لبریز گزری سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی محبت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی کیفیت خود ان کے قول وعمل سے دیکھنی چاہیئے۔ فرماتے ہیں:

''دنیا کی چیزوں میں سے مجھے تین چیزیں پیاری ہیں۔ اوّل آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھنا۔ دوئم آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم پر اپنا مال خرچ کرنا۔ سوئم میری بیٹی کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے گھر میں ہونا۔ (از المنبہات ابن حجر عسقلانیؒ)

خیر البشر صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کو اپنے اس جاں نثار رفیق کے ساتھ جو مخصوص تعلق تھا خلوص تھا اس کا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ میں اظہار فرمایا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے فرمایا: بہ تحقیق سب سے زیادہ اپنی رفاقت اور اپنے مال سے مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکر صدیقؓ ہیں۔

(ترمذی، کنزالعمال)

آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ ''خدا ابوبکرؓ پر رحم کرے انہوں نے اپنی بیٹی میری زوجیت میں دی...... مجھے دارالہجرت تک پہنچایا اور بلالؓ کو آزاد کیا۔'' (کنزالاعمال جلد 6 ابوبکر

صدیقؓ) اسی طرح عمرو بن العاصؓ نے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مردوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ تو ارشاد ہوا۔ ''ابوبکر صدیقؓ'' (بخاری کتاب المناقب، باب مناقب ابوبکرؓ)

صدیق اکبرؓ کے مسلمان ہو جانے سے خود بخود لوگوں کو اسلام کی طرف توجہ پیدا ہوگئی، قبلِ ہجرت کا زمانہ کتنا پُر خطر تھا خود اپنے اسلام لانے کا اظہار مشکل تھا۔ کلمہ اسلام کا زبان پر لانا اژدھے کے منہ میں ہاتھ ڈالنا تھا۔ ایسے ہولناک زمانہ میں خود اسلام لانے کا اظہار کرنا اور دوسروں کو مسلمان بنانے کی کوشش کرنا صدیق اکبرؓ ہی کی شان تھی۔ آپؓ نے نصرت اسلام کا وعدہ کس حد تک نبھایا، قبولِ اسلام کے ساتھ ہی دینِ حنیف کی نشر و اشاعت کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ آپؓ کی دعوت پر متعدد عشرہ مبشرہ صحابہ کرامؓ اسلام لائے، حضرت عثمان غنیؓ جیسے رئیس الابراء، حضرت طلحہؓ جیسے بہادر، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے بااثر، حضرت ابوعبیدہؓ جیسے مدبر، حضرت سعید بن زیدؓ جیسے مہمان نواز، حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو مخزن اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں۔ یوں تو اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ کو آپؓ کی تبلیغ سے ہدایت ملی مگر یہ اشخاص مکہ کے ذی اثر قبائل میں سے ہیں جن کے مسلمان ہو جانے سے کفر کی تیز چھری ذرا کند ہوگئی تھی۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت ابوسلمہؓ، حضرت سعد بن العاصؓ بھی اور دیگر کئی صحابہ کرامؓ آپؓ ہی کی کوشش و کاوش سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان بے شمار خوبیوں نے آپؓ کو دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت بلالؓ، حضرت عامرؓ، حضرت زنیرہؓ جو قریش کے سرداروں کے غلام تھے۔ حضرت نہدیہؓ، حضرت اُم عبیسؓ جو قریشی امیروں کی لونڈیاں تھیں جن پر کفار و مشرک رندانہ مظالم ڈھاتے تھے۔ ان کے آقاؤں سے بھاری رقومات پر خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کو اپنی دوستی اور رفاقت کے لئے پسند فرما لیا پھر یہ رفاقت تا زیست قائم رہی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بجز نبی کے اور کسی پر جو ابوبکر صدیقؓ سے بہتر ہو، آفتاب طلوع نہیں ہوا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اسلام میں آپؓ کا درجہ اور مرتبہ بہت بلند ہے۔ صدیق کا لقب پانے میں واقعہ معراج بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ آپؓ نے مشرکوں کے سوال کے جواب میں واقعہ معراج سنتے ہی فوراً اس کی تصدیق

فرمائی کہ یہ واقعہ معراج بالکل سچ ہے۔ مصعب بن عمیرؓ فرماتے ہیں کہ آپؓ کے لقب ''صدیق'' پر اجماع اُمت ہے۔

ہر قسم کے تمام امور جن کا تعلق راز داری سے تھا وہ سب خاندان صدیقی کے سپرد تھے۔ آپؓ محرم راز و اسرار نبوت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپؓ کو ایسا عشق تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہنے کے لئے دنیا کے کاروبار کی کبھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ انتہائی نازک موقعوں پر بھی ان کی نظر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہٹتی تھی۔ اگر کوئی خطرے کا وقت ہوتا تو وہ شمشیر بکف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت پر معمور رہتے، تسلی و دلدہی کے کلمات کہتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے ذوق وشوق، سوچ وفکر اور جذبات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی واطاعت کی خاطر قربان کرتے چلے گئے۔ میدان بدر ہو یا معرکہ اُحد، حنین ہو یا تبوک، حدیبیہ ہو یا خندق، سفر ہو یا حضر، غار ہو یا مزار، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہر جگہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نبھایا۔ اپنی محبت کا محور سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات وسیرت اور اسوہ حسنہ کو بنایا۔ ابتدائے اسلام کے زمانے میں لوگوں کی مشکلات کے پیش نظر، رسول اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا تن من دھن سب کچھ نچھاور کر دیا۔

حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے مکہ میں کفار کے ہاتھوں جو مصائب وتکالیف برداشت کیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اپنی عظمت وجلالت اور اثر و رسوخ کے باوجود اس سے پوری طرح محفوظ نہ تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام لائے تو ابھی اسلام کا آغاز ہی تھا۔ پوری وادی مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانی دشمن تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرشار تھے جب مسلمانوں کی تعداد انتالیس (39) تک پہنچی تو ابوبکر صدیقؓ نے اظہارِ اسلام کی درخواست کی کہ علی الاعلان تبلیغ کی جائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاً انکار فرمایا لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اشتیاق واصرار کو دیکھ کر اجازت مرحمت فرما دی۔ مسجد کعبہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قریش مکہ کو بے دھڑک اسلام کی دعوت دی۔ اپنا تبلیغی خطبہ شروع کیا، یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا۔ خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے مشرکین وکفار ٹوٹ پڑے اگر چہ حضرت ابوبکرؓ کی شرافت وعظمت مسلم تھی باوجود اس کے اتنا مارا کہ

چہرہ مبارک خون سے بھر گیا بڑی بے رحمی و بے دردی سے روندا گیا جو کچھ نہ کرنا تھا وہ بھی سب کچھ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بے ہوش ہو گئے۔(الاصابہ جلد 8)

بنوتمیم یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ آپؓ کو اٹھا لائے۔ اس وحشیانہ حملے سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی اس لئے بنوتمیم نے اعلان کیا کہ اگر اس حادثے میں ابوبکر صدیقؓ کی وفات ہوگئی تو ہم لوگ ان کے بدلے میں عقبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیں گے کیونکہ عقبہ نے مارنے میں زیادہ بدبختی کا اظہار کیا تھا۔

ہوش آنے پر سب سے پہلی بات یہ کہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ جو لوگ آپؓ کے پاس کھڑے تھے سخت برہم ہوئے اور کہا کہ جس کی وجہ سے تمہیں یہ ذلت و رسوائی اٹھانی پڑی پھر اسی کا نام لیتے ہو۔ وہ لوگ جاتے ہوئے آپؓ کی والدہ اُم الخیر سے کہہ گئے جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے باز نہ آئے اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دینا۔ ماں کی ممتا کب گوارا کرتی تھی۔ کھانا لے آئی اور کھانے پر اصرار کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ ماں! خدا کی قسم میں اس وقت تک نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ کرلوں گا۔ اتنے میں اُم جمیلؓ (حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ جو اسلام لا چکی تھیں) حضرت ابوبکرؓ نے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بتایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخیریت ہیں اور دار ارقم میں تشریف فرما ہیں۔

ماں کچھ کھلانے پلانے پر بضد تھیں۔ آپؓ نے فرمایا: واللہ! ''میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک اپنے دوست کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں گا۔'' حضرت ابوبکرؓ زخموں سے چور تھے، چلنے کے قابل نہ تھے۔ جب لوگوں کی آمد و رفت کم ہوئی، کچھ سکون ہوا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اصرار کیا۔ ان کی والدہ اُم الخیر اور اُم جمیلؓ انہیں سہارا دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابوبکرؓ لپٹ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رونے لگے اور ان کا بوسہ لیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حال پوچھا تو عرض کی میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان جائیں مجھے کوئی تکلیف نہیں، یہ میری شفیق ماں ہیں ان کے لئے ہدایت کی دعا فرما دیں۔ آپ مستجاب الدعا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اس کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے اسی وقت

اسلام قبول کرلیا۔(تاریخ الخمیس)(الاصابہ جلد 8)

عیش وعشرت ،نشاط وفرحت کے وقت محبت کے دعوے کرنے والے ہزاروں ہوں گے لیکن سچی محبت اور عشق وہی ہے جو مصیبت و تکلیف کے وقت بھی باقی رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کرامؓ کو چھانٹا ہے اوران میں سے بھی چار کو ممتاز کیا ہے،ابوبکرؓ،عمرؓ،عثمان اور علیؓ کو میرے تمام صحابہ کرامؓ سے افضل قرار دیا ہے۔ابوسختیانیؒ کہتے ہیں۔''جس نے ابوبکر صدیقؓ سے محبت کی اس نے دین کو سیدھا کیا۔''(شہید المحراب مرتب سید عمر تلمسانیؒ ترجمہ حافظ ادریس)

ہجرت مدینہ میں یار غار:

ہجرت کے سفر میں غار ثور کی طرف جاتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عجیب کیفیت تھی ، کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے چلنے لگتے تو کبھی پیچھے آجاتے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ اضطرابی کیفیت دیکھی تو پوچھا:''ابوبکرؓ یہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟'' کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مجھے خدشہ محسوس ہوتا ہے کوئی پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وار نہ کردے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ہو جاتا ہوں اور جب خیال آتا ہے کہ آگے کہیں دشمن کمین گاہ میں نہ بیٹھا ہو تو آگے آجاتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو یہ سب اس لئے کرتے ہو کہ سارا ضرر تمہیں پہنچے اور میں محفوظ رہوں؟ کہا: اُس اللہ تعالیٰ کی قسم،جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ٹوٹنے والی آفت اپنے سر لےلوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفوظ رہیں۔(دلائل النبوت للبیہقی)

مکہ سے مدینہ کا سفر ہر طرح سے پُر خطر اور کٹھن تھا مکہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر جبل ثور یعنی غارِ ثور ان کی پہلی منزل تھی ،اس کی چڑھائی عموداً ہے اور راستہ سنگلاخ ، پتھروں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں زخمی ہونے لگے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کندھوں پر اٹھالیا،اس پہاڑ کے غار تک پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر ٹھہرایا، رات تاریک ہے خود اندر جا کر غار کو صاف کیا،تن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے سوراخوں کو بند کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غار کے اندر لے کر گئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند آرہی تھی ابوبکرؓ کے زانو

پر سر رکھ کر گود میں سو گئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ ایک سوراخ بند ہونے سے رہ گیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے اسے اپنے پاؤں سے بند کر رکھا تھا، اس خیال سے کہیں یہ سانپ کا بل نہ ہو، آپؓ کا خدشہ درست ثابت ہوا وہ سانپ کا بل تھا۔ اس زہریلے سانپ نے حضرت ابوبکرؓ کی ایڑی پر کاٹا شدت درد کے باوجود پاؤں سوراخ سے نہیں اٹھایا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام میں خلل نہ پڑے لیکن تکلیف کی شدت سے آپؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر پڑے اور آنکھ کھل گئی، حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنا لعاب دہن حضرت ابوبکرؓ کی ایڑی پر لگایا، جس سے ایڑی کا درد اور زہر کا اثر کافور ہوگیا گویا جیسے سانپ نے ڈسا ہی نہ ہو۔ (زرقانی جلد اوّل ص389)

غارِ ثور میں نہ صرف یہ کہ تین دن تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنوں سے پردہ داری کی بلکہ جی بھر کے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُخ انور کی زیارت سے پیاسی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور صحبت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انمول لمحات بھی میسر آئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار چاندنی رات تھی، آسمان پر ستارے خوب روشن تھے۔ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر بھی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! عمرؓ کی۔ میں نے عرض کیا ابوبکرؓ کی نیکیوں کی کیا کیفیت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کہ عمرؓ کی تمام نیکیاں ابوبکرؓ کی ایک (ہجرت کی) رات کی نیکی کے برابر ہیں۔'' (مشکوٰۃ باب، مناقب ابوبکرؓ وعمرؓ)

غزوہ تبوک:

غزوہ تبوک کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو راہ خدا میں مال جمع کرانے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں غزوہ تبوک کے موقع پر میرے پاس بہت مال تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ آج اس معاملہ میں صدیق اکبرؓ سے بڑھ جاؤں گا، ان پر سبقت لے جاؤں گا اور میں نے اپنے مال کا نصف لا کر دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دیا جو کہ ایک معقول مقدار میں تھا...... اس کے بعد صدیق اکبرؓ بھی مال لائے تو مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''عمرؓ اپنے اہل وعیال کے لئے کس قدر چھوڑ آئے ہو؟'' میں نے عرض کیا

آدھا مال گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں......مگر ابوبکرؓ کا معاملہ ہی نرالا تھا، رسول خدا نہ پوچھتے تو ابوبکرؓ کبھی اس کا اظہار نہ کرتے، جب صدیق اکبرؓ سے دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اہل وعیال کے لئے میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑا ہے یعنی گھر میں کچھ نہیں چھوڑا ہے۔ اگرچہ غزوہ تبوک کا زمانہ نہایت ہی تنگی کا زمانہ تھا لیکن صدیق اکبرؓ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور سارے کا سارا گھر کا مال واسباب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر کر دیا۔
(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضرت عمرؓ اس وقت بے ساختہ رو پڑے اور فرمایا اے ابوبکرؓ! میرے ماں باپ تجھ پر قربان، خدا کی قسم! جب بھی کبھی ہم نے نیکی کی کسی دوڑ میں تمہارے ساتھ مقابلہ کیا تو تم ہمیشہ سبقت لے گئے (ابن کثیر جلد اول) جنگ تبوک کے موقع پر اسلام اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستگی اُوج ثریا کی بلندیوں کو چھوگئی۔ (شہید المحر اب عمر بن خطاب ص 184)

علامہ اقبالؒ نے اس تاریخی واقعہ کو اس طرح منظور کیا:

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب سے کہا — دیں مال راہ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
ارشاد سن کے فرط طرب سے عمرؓ اٹھے — اُس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور — بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسول امینؐ کے پاس — ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضورؐ سرور عالم نے، اے عمرؓ — اے وہ کہ جوش حق سے تیرے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا — مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار

کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا — جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت — ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
ملک یمین و درہم و دینار، ورخت وجنس — اسپ، قمر سم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ چاہئے فکر وعیال بھی — کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر! — اے تیری ذات باعث تکوین روز گار!

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ارادے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وصال میں حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں لشکر اسلام شام بھیجنے کا حکم دیا تھا لیکن عین کوچ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہو گئے جس کے باعث لشکر کو رکنا پڑا۔ نبی کریم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو پورے ملک میں ارتداد کا فتنہ برپا ہو گیا، بہت سے قبائل اسلام سے پھر گئے مرتد ہو گئے، اکثر نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا، کئی جھوٹے نبی پیدا ہو گئے غرض اندرونی فتنوں نے خلافت اسلامیہ کو گھیر لیا۔ بعض لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیقؓ اُسامہؓ کو فوج دے کر بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو بعض صحابہ کرامؓ نے مخالفت کی کہ ایسے انتشار کی حالت میں فوج کو مرکز خلافت سے دور، رومی سلطنت کی طرف روانہ نہ کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے مشورے کے جواب میں فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ جس کام کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے اس کو فراموش کر دیا جائے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مدینے میں اتنا سناٹا ہو جائے یعنی تنہا رہ جاؤں اور درندے بھیڑیئے آ کر مجھے چیر پھاڑ ڈالیں، تو بھی میں حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک لمحہ ٹالنے کی کوشش نہیں کروں گا اور اُسامہؓ کو ضرور روانہ کروں گا۔ اس وقت حضرت اُسامہؓ کی عمر صرف اُنیس (19) برس تھی۔ صحابہؓ نے پھر مشورہ دیا کہ اُسامہؓ کی بجائے کسی معزز سن رسیدہ شخص کو فوج کا امیر مقرر کیا جائے یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ غصے سے بے تاب ہو گئے اور فرمایا: ''خدا تمہیں ہلاک کرے تم مجھے یہ مشورہ دیتے ہو جس شخص کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر مقرر کیا ہو اس کو معزول کر دوں ایسا ہرگز نہ ہو گا۔'' (تاریخ الخلفاء ص 71)

چنانچہ لشکر روانہ ہوا، خود پیدل مدینے سے باہر تک اسے رخصت کرنے کے لئے نکلے، لشکر اسلام کو پُر خلوص نصیحت فرمائی۔ چالیس روز کے بعد یہ لشکر فاتحانہ، کامیاب و کامران ہو کر لوٹا۔

(اکبر شاہ خاں جلد اوّل)

عشق تیری انتہا، عشق میری انتہا:

صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت رکھتے تھے۔ اس محبت کی گواہیاں تاریخ کے اوراق میں بھی محفوظ ہیں اور سینہ بہ سینہ عشاق رسولؐ اسے منتقل بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس محبت وعشق کے سامنے نہ کوئی رشتہ کھڑا رہ سکا، نہ مال ودولت اور نہ دنیا کی کوئی شے حائل ہوسکی اور اسی کی دلیل ابوسفیان بن حرب کا قول ہے جو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہا: ''میں نے لوگوں میں کسی کو کسی سے اس طرح محبت کرتے نہیں دیکھا جس طرح اصحاب محمدؐ، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔''

فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ درجہ حاصل ہے کہ آپؓ کی وفات بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا نمونہ ہے۔ پیر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور پیر کا دن گزار کر شب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن شب کو چراغ میں تیل نہ تھا۔ صدیق اکبرؓ کی وفات کے وقت گھر میں کفن کے لئے پیسے نہ تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ بچپن میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق تھے۔ جوانی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق رہے۔ سب سے پہلے ایمان لا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق، دوست راست بن گئے، صبر آزما حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق تھے۔ وصال کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق ہیں اور پہلوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آرام فرما ہیں۔ تریسٹھ (63) برس کی عمر میں راہ گزیں عالم جاوداں ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمیشگی رفاقت کا شرف حاصل کیا۔ (کنز العمال جلد 6)

کیا خوب کہا کسی مداح صحابہ کرامؓ نے............

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا
دعویٰ الفت احمدؐ تو سبھی کرتے ہیں کوئی نکلے تو ذرا رنج اٹھانے والا
کام الفت کے تھے وہ جن کو صحابہؓ نے کیا کیا نہیں یاد تمہیں ''غار'' میں جانے والا

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمرؓ بن خطاب

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے مسلمانوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت جانی دشمن تھے ایک دن نعوذ باللہ ارادہ قتل سے گھر سے نکلے، فاروق اعظم عمرؓ کو حلقہ بگوش اسلام بنانے میں حضرت سعید بن زیدؓ اور ان کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب کا بڑا حصہ ہے۔ یہ ان کی استقامت اور اخلاص ہی کا نتیجہ تھا کہ بنوعدی کے مرد آہن کا دل بھی پگھل گیا اور آناً فاناً دشمنان حق کی صف سے نکل کر جاں نثاران اسلام کی صف میں آ گئے۔ آپؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو تقویت ملی اور اعلانیہ خانہ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی جانے لگی۔ (سیرت النبیؐ جلد 1)

حق و باطل راچوں دل فاروق شد:

قبول اسلام کے بعد حضرت عمرؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً ہم حق پر ہیں۔'' اس پر عرض کیا پھر ہمیں دار ارقم کی بجائے بیت اللہ شریف میں جا کر نماز پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ اس روز مسلمان دار ارقم سے دو صفیں بنا کر نکلے، ایک صف کے آگے آگے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور دوسری صف کے آگے آگے عمرؓ بن خطاب تھے۔ مسلمان اس شان کے ساتھ حرم شریف میں آئے اور وہاں نماز پڑھی۔

حضرت عمرؓ نے سرداران قریش کو متنبہ کر دیا کہ وہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے سرداران قریش کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ یوں اہل علم کے نزدیک آپؓ مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپؓ کو صحابہ کرامؓ کے درمیان مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے یاد کیا جاتا تھا یعنی آپؓ کے لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی دعائیں کیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی۔ ''اے میرے اللہ! اسلام کو ابوجہل عمر بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے عزت فرما۔'' اللہ کے محبوب نبی صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی دعا کیسے رد ہوسکتی تھی۔ آپؐ کے ہر ہر لفظ کو تائید ربانی حاصل تھی، سو اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی صورت میں اس دعا کو تعبیر بخشی۔ قبول اسلام کے بعد طبیعت یکسر تبدیل ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے دل وجان سے متوالے بن گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت وحفاظت کی ہر وقت فکر رکھتے تھے۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں انسان کو رہنمائی دی ہے۔ حضرت عمرؓ اسلامی طرزِ زندگی کا بہترین نمونہ تھے۔ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشنی پانے کے بعد خود بھی منبع نور و ہدایت بن گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی کا نیا ورق اُلٹا تو پھر عظمت کی ہر بلندی کو سر کیا۔ اسلام کا کھلم کھلا ظہور ان کے اسلام لانے سے ہی ہوا۔

حضرت عمرؓ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی زندگی ہی میں جنت کی خوشخبری مل چکی تھی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر حضرت عمرؓ کی والہانہ محبت:

اپنی بہادری کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی حالت کا تحمل نہ فرما سکے۔ ان کا صبر وسکون ختم ہوگیا۔ دیوانگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب انہیں یہ خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال فرما گئے ہیں تو یہ الفاظ ان کی تاب سماعت پر سخت گزرے، سخت حیرانی و پریشانی کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوگئے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضورؐ کا وصال ہوگیا ہے تو اس کی گردن اُڑا دوں گا وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ واللہ! ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب سے ملاقات کرنے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے۔ عنقریب واپس تشریف لے آئیں گے۔

حضرت عمرؓ ہر غزوہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے، جنگ اُحد میں جب درہ پر متعین مسلمانوں کی غلطی سے دشمن نے شکست کھانے کے بعد پھر پلٹ کر حملہ کیا تو حضرت عمرؓ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے رہے۔

غزوہ خندق، صلح حدیبیہ، غزوہ خیبر، فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ تبوک میں بھی آپؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حصہ لیا۔ تبوک کی مہم کے لئے اسلام کی راہ میں سبقت لے جانے کی غرض سے اپنا آدھا مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے دل میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپؓ کا مزاج محبت وجذبات کا مرقع تھا۔

یہ انسان کتنا عظیم تھا۔ دل کی بہادری اور طبیعت کی سختی کے ساتھ رقت قلبی اور رحم دلی بھی انتہا درجے کی تھی۔ یہ کیسا حسین امتزاج تھا سختی صلابت (مضبوطی) تھی مگر سنگ دلی نہیں، نرمی میں رحم ومحبت تھی مگر ضعف وبزرگی کا شائبہ بھی نہ تھا۔

حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشکلات بھری زندگی اور فقر وفاقہ، گھر کی مالی مشکلات دیکھ کر حضرت عمرؓ رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور فرمایا: ''اے عمرؓ! تم اس بات پر راضی نہیں کہ قیصر وکسری اس دنیا کی عارضی زندگی میں مزے لوٹ لیں اور آخرت کی دائمی نعمتیں ہمارا مقدر بن جائیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہم ایسی زندگی پر راضی اور خوش ہیں۔ (شہید المحراب عمر بن الخطاب، عمر تلمسانیؒ ص 132)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اپنی بیٹی حفصہؓ کے گھر داخل ہوئے تو انہیں روتے دیکھا، پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ شاید آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں طلاق دے دی ہے اگر ایسا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجوع کرلیں گے۔ لیکن اگر تمہاری کسی بات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ پہنچا اور انہوں نے تم سے علیحدگی اختیار کر لی تو یہ بات اچھی طرح جان لو کہ میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ (شہید المحراب ص 132)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عمرؓ کو اتنی محبت تھی کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کو اپنے رشتہ داروں پر ترجیح وفضیلت دیا کرتے تھے۔ (سیارہ ڈائجسٹ ازواج مطہرات نمبر ستمبر 1993ء)

دو تین واقعات درج کرتی ہوں:

1- نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن لوگوں سے محبت رکھتے تھے، آپؓ ان کی

نہایت عزت وتوقیر کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت اُسامہؓ کا عطیہ ساڑھے تین ہزار مقرر کیا اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کا تین ہزار مقرر کیا تو انہوں نے اعتراض کیا کہ آپؓ نے مجھ پر اُسامہؓ کو کیوں ترجیح دی؟ وہ تو کسی جنگ میں مجھ سے آگے نہیں رہے، فرمایا: ''زیدؓ تمہارے باپ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسامہؓ سے تم سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ اس لئے میں نے اپنے محبوب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب کو ترجیح دی۔''

(مستدرک حاکم جلد 3، مناقب عبداللہ بن عمرؓ)

2- حضرت عمر فاروقؓ اپنے دورِ خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ سے بھی بہت محبت کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ یا ان کی اولاد کو اس لئے نوازتے تھے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھتے تھے۔ ایک دن بازار میں حضرت عمرؓ کو ایک عورت ملی اس نے کہا۔ ''یا امیر المومنین! میرا شوہر مر گیا ہے میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور ذریعہ معاش کوئی نہیں ہے میں خفاف بن ایما الغفاری کی بیٹی ہوں، میرا باپ صلح حدیبیہ کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔''

حضرت عمرؓ اس کو اپنے گھر لے گئے اور ایک تندرست اونٹ پر، کپڑا، کھانے پینے کا سامان اور دوسری ضرورت کی اشیاء لاد کر اونٹ کی مہار اس عورت کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا: ''اس کو لے جاؤ اور اپنے بچوں کو کھلاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں فارغ البالی عطا کرے۔''

ایک شخص نے اعتراض کیا کہ ''یا امیر المومنین! آپؓ نے ایک عورت کو اتنا ساز و سامان دے دیا ہے۔'' فرمایا: کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ حدیبیہ میں اس کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، پھر اس کے باپ اور بھائی نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تھا اور ایک مدت کے بعد اس کو فتح کیا تھا۔''

(صحیح بخاری، کتاب المغازی)

3- رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق و جان نثاری حضرت عمرؓ کے نزدیک بہت بڑی نیکی اور قابل قدر صفت تھی۔ حضرت عمرؓ نے عمر بن ابی سلمہؓ کے لئے چار ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا تو محمد بن عبداللہ بن جحشؓ نے کہا، عمر بن ابی سلمہؓ کو ہمارے اوپر کیوں ترجیح وفضیلت دی گئی ہے جبکہ ہمارے ماں باپ ہجرت کر کے گھر سے نکلے اور میدان جہاد میں شہید بھی ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کی وجہ سے اُسے فوقیت دی ہے، کوئی شخص ام سلمہ جیسی ماں تو لائے پھر میں اس کا مطالبہ پورا کر دوں گا۔'' حضرت عمرؓ اس قاعدہ وکلیہ کو ہر موقع پر پیش نظر رکھتے تھے تاکہ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت وتعلق اور آپؐ کی سنت پر عمل کرنے والوں کا خاص مقام ہے۔

(شہید المحراب عمر بن الخطاب تلمسانی ص 227)

یہ بھی ہے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پہلو:

جب ایوان کسریٰ پر قبضہ ہوا تو خزانہ اور نوادرات کا جائزہ لیا گیا، بیش بہا اشیاء یکجا کی گئیں۔ مال غنیمت حسب قاعدہ مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ کسریٰ کے کنگن سراقہؓ کے ہاتھوں میں پہنائے گئے۔ حضرت عمرؓ کو یہ پیشین گوئی کر کے امان دی تھی کہ فتح ایران پر اس کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق تکمیل کرتے ہوئے سراقہؓ کے ہاتھوں میں کنگن پہنائے۔ (صحیح بخاری)

جس وقت صلح حدیبیہ لکھا گیا یا عہد نامہ حدیبیہ لکھا گیا، حضرت عمرؓ نے ایک صاف دل اور سچے مسلمان کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ''آپؐ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں جو ایسی شرائط پر صلح کرتے ہیں۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''بے شک میں اللہ کا رسول ہوں چونکہ اللہ کا حکم یہی ہے اس لئے میں اس کے خلاف نہیں کرتا۔'' یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ خاموش ہو گئے اور عہد نامے پر دستخط کر دیئے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کا یہ عالم تھا کہ اس سوال و جواب کو گستاخی خیال کرتے ہوئے آپؓ نے کفارہ کے طور پر غلام آزاد کئے، روزے رکھے اور صدقات دیئے پھر بھی ہمیشہ اپنی اس جسارت پر نادم رہے۔ (بخاری کتاب الشروط فی الجہاد)

یہ انتہائے عشق نہیں ہے تو کیا ہے؟

حضرت عمرؓ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حد تک تھا کہ آپؐ کے نام مبارک سے بھی

بے پناہ محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ ایسا اسم تھا کہ اس کا احترام واکرام کو ضروری سمجھتے تھے۔ محمد نامی کسی شخص سے بھی سختی و درشتی ان کو ہرگز گوارا نہ تھی، اسی طرح محمد نامی کسی شخص کی معمولی لغزش پر بھی تڑپ اٹھتے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت کے بعد کوئی شخص تقویٰ سے گری ہوئی بات کیسے کرسکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے ایک بھتیجے اور زید بن خطاب کے بیٹے کا نام ''محمد'' تھا ایک مرتبہ آپؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ محمد بن زیدؓ بن خطاب کو مخاطب کر کے ان کے کسی کام پر سرزنش کر رہا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے سنا تو فرمایا: میں برداشت نہیں کرسکتا کہ تمہاری وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک کسی تنقید کا نشانہ بنے۔ اب میری زندگی میں تمہیں محمد کے نام سے نہیں پکارا جائے گا پھر آپؓ نے اس کا نام عبدالرحمٰن یا عبدالحمید رکھ دیا۔ (شہید المحراب، عمرؓ بن خطاب)

زہرا بن سعیدؓ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے۔ حضورؐ نے عمر فاروقؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!'' خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔'' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ''اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔''

(سیر الصحابہؓ حصہ اول ص 139) (شہید المحراب عمر بن الخطاب ص 145)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''الان عمر یعنی اے عمرؓ اب بات بنی ہے۔''

حضرت عمرؓ فاروق کے حق میں وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ جب کوئی اہم معاملہ پیش آجاتا، نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب فرماتے تو لوگ اپنی اپنی صوابدید کے مطابق رائے دیتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید میں وحی نازل ہو جاتی، یوں آپؓ کی رائے تائید ربانی سے قیامت تک کے لئے شریعت و قانون بن جاتی۔ خشیعت الٰہی حضرت عمر فاروقؓ کا امتیازی وصف تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی عظمت و بزرگی کا کہ بار بار آسمانی وحی

نے ان کی رائے کی تائید کی، مگر وہ کبھی نہ اترائے نہ بہکے بلکہ ہر مرتبہ انکساری وتواضع میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص 12) (سیر الصحابہؓ جلد اول)

یہ بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بہترین پہلو ہے:

کہ ایک دفعہ آپؓ کی بیٹی اُم المومنین حضرت حفصہؓ نے آپؓ کو توجہ دلائی کہ آپؓ اپنے آپ پر اتنی مشقت نہ ڈالیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے یارِ غار ابوبکر صدیقؓ کتنی سخت اور پُر مشقت زندگی گزارا کرتے تھے اور کچھ واقعات کی یاد دہانی بھی کروائی تو حضرت حفصہؓ رونے لگیں، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''بخدا! اگر مجھے توفیق ملے تو میں چاہتا ہوں انہی کی طرح مشقت بھری زندگی گزاروں تاکہ اللہ تبارک تعالیٰ مجھے بھی اُخروی زندگی میں اُن کا ساتھ عطا فرمائے جس میں وہ راضی اور خوش ہے۔''

(کنز العمال جلد 6 ص 239) (شہید المحراب ص 206)

اذان بلالیؓ:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گہری محبت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنی وسیع وعریض سلطنت میں جب کبھی سفر کرتے تھے تو لوگوں کو اپنے حال و مستقبل کے حوالے سے ماضی کی یاد دلایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور سب ادوار سے بہتر تھا، وحی نازل ہوتی تھی۔ اللہ کے پیارے نبیؐ خود لوگوں کے درمیان جلوہ افروز تھے اُس دور کی یادیں بھی حضرت عمر فاروقؓ کو بہت عزیز تھیں۔

شام کے سفر پر گئے اور وہاں مدت بعد موذن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنی تو عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور مسعود یاد آ گیا، آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے خود بھی روئے، جملہ حاضرین کو بھی رُلایا، اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے قلبی شوق اور نبی پاکؐ سے گہری محبت کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ صرف اذان کی آواز سن کر اشکوں کا سیل رواں اور عامتہ الناس کی ہچکیاں آخر کسی بات کی دلالت تو کر رہی ہیں۔ بلالؓ کی آواز مدینے میں سنتے تھے اور آج مدینہ سے دور ارض شام میں

یہ آواز سنی تو ماضی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا، یہ دلوں کے معاملے ہیں اور دل والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ نزول وحی کا دور کتنا بابرکت تھا۔ امن وسلامتی کا دور تھا، عذاب سے تحفظ کی ضمانت حاصل تھی، اللہ تعالیٰ کا حکم اُن لوگوں کے سامنے تھا۔ (شہید محراب عمرؓ بن الخطاب، عمر تلسمانیؒ ص نمبر 243)

یادیں کتنی خوشگوار اور دل نواز تھیں اور ان کا تذکرہ کتنا دل رُبا تھا!!! اب امان اور سلامتی کی ضمانت واپس جا چکی تھی اُس کی پاکیزہ وحسین یادیں سرمائے کی حیثیت سے دل میں موجزن تھیں، یہ یادیں اُن لوگوں کو ہاتھ پکڑے خیر و بھلائی کی راہیں دکھاتی تھیں۔

جوش اُلفت بھی دل عاشق سے کر جاتا سفر   رخصت محبوب کا قصہ فنا ہوتا اگر

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور اُس کے پاس آنسو بہائے۔ یہ آپؓ کے ایمان اور نبی کریمؐ کے اتباع کی مثال ہے۔ حضرت عمرؓ اُس پتھر کی برکات کے باوجود اُسے حاجت روائی اور مشکل کشائی کا مقام دینے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ اسی لئے ایک مرتبہ حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا: خدا کی قسم! میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان، اگر میں نے محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تمہارا بوسہ نہ لیتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشین گوئی کا تذکرہ ''اسد الغابہ'' میں ان الفاظ میں آیا ہے۔ ''میرے بعد تم کچھ نئے کام کرو گے اُن میں سے مجھے سب سے محبوب وہ کام ہوں گے جو عمرؓ جاری کرے گا'' پوری انسانیت ان کے کاموں سے واقف ہے۔

صادق الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

(اسد الغابہ، شہید المحراب عمر بن خطاب از شیخ عمر تلسمانیؒ)

آپ جمال نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے شیدائی تھے ان کو اس راہ میں جان و مال، اولاد اور عزیز واقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔ عاصی بن ہشام جو حضرت عمرؓ کا ماموں تھا معرکہ بدر میں خود ان کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ سے ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کر لی تو حضرت عمرؓ نے یہ سن کر بارگاہ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر خدمت ہونا چاہا، جب بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو پکار کر کہا، ''خدا کی قسم میں حفصہؓ کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں، اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت دیں تو

میں اس کی گردن ماردوں۔(کنزالاعمال جلد6)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کبھی عہد مبارک یاد آجاتا تو رقت طاری ہو جاتی۔حضرت عمرؓ کے دستورالعمل کا سب سے زرّیں صفحہ اتباع سنت تھا۔وہ خوردونوش،لباس ووضع، نشست وبرخاست غرض ہر چیز میں اُسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ نے آپؓ کے جنازہ پر فرمایا:عمرؓ آپؓ نے اپنے بعد کوئی ایسا عمل نہیں چھوڑا کہ اس جیسے نامہ اعمال کی میں خواہش کرسکوں۔بے شک میں نے اکثر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ''میںؐ،ابوبکرؓ وعمرؓ نکلے اور میںؐ،ابوبکرؓ وعمرؓ آئے،میںؐ نے اور ابوبکرؓ وعمرؓ نے یہ کیا یعنی ہر کام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ دونوں کو اپنے ساتھ ضرور شریک فرماتے تھے۔مجھے پہلے سے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کو ان دونوں کے پاس جگہ دے گا۔(بخاری شریف جلد دوم)(شہید المحراب)(معارف الحدیث حصہ ہشتم۔کتاب مناقب والفضائل)

حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ اپنے محبوب آقا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوں۔حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اجازت دے دی تھی مگر خیال یہ تھا کہ شائد خلافت کے رُعب نے اُنہیں مجبور کیا ہو اس لئے اپنے صاحبزادے کو نصیحت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد ایک دفعہ پھر اجازت لی جائے اگر اذن ہو تو خیر ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کردینا۔

(سیرالصحابہ جلداوّل ص195)۔

اس طرح مرنے کے بعد بھی فاروق اعظمؓ نے ورع وتقویٰ کا بدیع المثال نمونہ پیش کیا۔ایک بار حضرت عمرؓ نے عمرہ کی اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی لیکن چلتے وقت فرمایا کہ''میرے بھائی!اپنی نیک دعاؤں میں مجھے بھی شریک رکھنا۔''

(شہید المحراب عمر بن خطاب ص92)۔

حضرت عمرؓ نے آپ کا یہ ارشاد حفظ کرلیا،وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ آنحضرت مجھ سے ایک ایسی بات کہہ چکے ہیں جس کے عوض میں پوری دنیا اور اس کی تمام نعمتیں لینا پسند نہ کروں گا۔''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری وقت تک مجھ سے خوش رہے۔میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکرادا کرتا ہوں اور اس سعادت پر مجھے فخر ہے۔دینی فیصلوں میں آپؓ نے نماز میں''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کا اضافہ فرمایا۔

یہ بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بہترین پہلو ہے:

حضرت فاروق اعظم ایک غیر مند انسان تھے۔ پردے کا حکم نازل ہونے سے قبل انہوں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے دروازوں پر جا کر ہر شخص بے دریغ دستک دیتا اور اندر داخل ہو جاتا تھا۔ ظاہر ہے اُمہات المومنینؓ سب اہل اسلام کے لئے ماں کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کی اخلاقی پاکیزگی و پاک دامنی ہر شبہ سے بالاتر اور منزہ تھی۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ازواج مطہراتؓ کے ہاں لوگوں کے آنے جان پر پابندی لگائی جائے۔ لوگوں کا بار بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر جمع ہونا، آپؐ کے لئے پریشانی و ناگواری کا باعث بنتا تھا۔

حضرت عمرؓ اپنی بات بلا تکلف اور صراحت کے ساتھ کرنے کے عادی تھے۔ انہوں نے ایک دن صادق و امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ہر قسم کے لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج مطہراتؓ کو پردے کا حکم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا مگر آپؐ آسمانی حکم کے منتظر تھے۔ حضرت عمرؓ کی آرزو تھی کہ حجاب کے حق میں شریعت کا خصوصی قانون نازل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کی آرزو پوری کر دی اور پردے کا حکم نازل فرمایا۔

(شہید المحر اب از عمر تلمسانیؒ ص164) (سورہ الاحزاب آیت 53)۔

پردے کی آیت کریمہ ایسی نص ہے جو مسلم معاشرے میں لوگوں کے لئے ایک مستقل قانون کی حیثیت سے قیامت تک موجود رہے گی، لوگوں کی پرائیویٹ زندگی کے تقدس اور ان کی آبرو کی حرمت کی ضمانت سے قیامت تک موجود رہے گی، لوگوں کی پرائیویٹ زندگی کے تقدس اور ان کی آبرو کی حرمت کی ضمانت مہیا کرتی رہے گی۔ اسی طرح کئی اور مواقع پر بھی حضرت عمرؓ کے خیالات کی تصدیق آیات ربانی سے ہوئی۔

غزوہ بدر کے موقع پر جب یہ افواہ اُڑی کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے تو حضرت عمرؓ رنج وصدمے کے مارے زندگی سے بیزار ہو گئے اور ہمت ہار بیٹھے، لیکن کچھ دیر بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کی اطلاع ملی تو جیسے ان کے تن مردہ میں جان پڑ گئی، دوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ

جگہ پر لے گئے۔

ایک مرتبہ کسی معاملے میں ایک منافق بشر اور ایک یہودی کے درمیان کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا۔ مقدمہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاف کے مطابق یہودی کے حق میں فیصلہ دیا، وہ یہودی اس فیصلے پر راضی تھا مگر بشر اس فیصلے سے مطمئن نہ ہوا، چنانچہ وہ یہودی کو لے کر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچا اور کہا ان کے جھگڑے کا فیصلہ کر دیں۔ یہودی نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ اس نزاع کا فیصلہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کر چکے ہیں، میں یہودی ہوں اس فیصلے کا احترام کرتا ہوں جبکہ یہ مسلمان ہو کر بھی اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر رہا ہے۔ اس لئے مجھے آپؓ کے پاس لایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بشر سے اس بات کی تصدیق کی تو سچ نکلی۔ بشر نے سمجھا میں عمرؓ کے پاس جاؤں گا تو وہ ضرور میرے حق میں فیصلہ دیں گے۔

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا تم لوگ ذرا ٹھہرو، میں ابھی فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر فوراً گھر گئے اور ننگی تلوار لے کر باہر نکلے۔ آپؓ نے اس منافق کی گردن پر اس زور سے تلوار ماری کہ گردن کٹ کر دور جا گری اور فرمایا: ''جو شخص مسلمان کہلا کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اس کا فیصلہ میں اسی طرح کیا کرتا ہوں۔'' (خلفائے راشدین)

چوں عمرؓ شیدائے آں معشوق شد

حق و باطل راچوں دل فاروق شد

(مولانا روم)

''یعنی عمر فاروقؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فداء ہوئے تو اس عشق کی برکت سے ان کا دل حق و باطل میں فرق کرنے والا بن گیا ہے۔'' (خلفائے راشدین)

حضرت عمر فاروقؓ کتنے خوش نصیب تھے زندگی میں تو ہر وقت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ شہادت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی گوارا نہ ہوئی، روضہ رسولؐ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(حضرت عثمان بن عفان)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ایک بہترین باب ہے۔ان کے لئے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پیروی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اس دنیا میں کچھ اور تھا ہی نہیں۔اس لئے وہ جس منصب پر رہے ایک خادم کی حیثیت سے، ایک وفادار پیروکار کے روپ میں، ایک جاں نثار، غم خوار، ساتھی کے اعتبار سے، ایک نیک اور صالح داماد کے لحاظ سے اور پھر جاں نشین نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا خلافت میں بھی انہوں نے اپنے اسی جذبہ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو ہمیشہ اپنا مطمع نظر بنائے رکھا۔قبولیت اسلام میں چوتھے نمبر پر ہیں۔عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔آپؓ کے اسلام لانے کی خبر آپ کےؓ چچا حکم بن ابوالعاص کو ہوئی تو اس نے طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں کہ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر ایک اَن دیکھے خدا کو پوجیں، جب انہوں نے اسلام چھوڑنے سے انکار کیا تو اسے بہت غصہ آیا، سخت طیش میں آ کر کہا دیکھ! تیرا خدا تجھ کو میرے ہاتھوں موت سے کیسے بچا سکتا ہے یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو ابوالعاص نے زنجیروں میں جکڑ کر بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔اس قدر مارا کہ آپؓ کا تمام بدن لہولہان ہو گیا اور پھر دھوپ میں ڈال دیا، کئی روز تک علیحدہ مکان میں بند رکھا اور مارنا شروع کر دیا جب مارتے مارتے تھک گیا تو بولا، ''عثمانؓ اب بتا تیری توحید کا نشہ اُترا کہ نہیں، میں سمجھتا ہوں اب تو اپنے اکلوتے خدا کو بھول گیا ہو گا۔'' آپؓ نے کہا چچا!''اسلام کو چھوڑنا تو بڑی بات ہے ابھی تو میرے دل میں اسلام چھوڑنے کا وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا ہے۔''

ابن عاص کو ایک دم پھرتاؤ آ گیا اور مارنا شروع کر دیا۔ آپؓ نے کہا تم میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو، لیکن اپنے پیارے محبوب محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے سے مجھے نہیں ہٹا سکتے۔'' ابن عاص یہ سن کر چمڑے کا کوڑا اٹھا لایا اور عثمانؓ کو کھجور کی رسّی سے جکڑ کر باندھ دیا پھر کوڑے مارنے شروع کر دیئے، کوڑا جس طرح جسم پر پڑتا تھا کھال اُدھیڑ دیتا تھا، تمام جسم زخموں سے چور چور تھا اور خون کی دھار بہنے لگی۔ ابن عاص نے کہا۔'' اب میں تجھے کوٹھڑی میں بند کرتا وں کل پھر اسی طرح سزا دوں گا۔''

وہ حضرت عثمانؓ کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا تھا۔ لیکن ایذائیں اور سزائیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو ان کے دل سے نہ نکال سکیں۔

(تاریخ الخلفاء) کیونکہ

''اتباع مجتبٰی ہی ہے رضائے مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''۔

ایوب سختیانیؒ کہتے ہیں جس نے عثمان غنیؓ سے محبت کی وہ اللہ تعالٰی کے نور کے ساتھ منور ہوا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے مکہ مکرمہ میں موجود اپنی جائیداد، تجارتی مال اور مکانات وغیرہ کی ذرا برابر پروانہ کی بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے وہ ان تمام دنیاوی تحفظات کو چھوڑ کر تحفظ اسلام اور خدمت دین کی خاطر چلے گئے تھے۔

مدینہ منورہ میں ایک کنواں بنام ''بیئر رومہ'' موجود تھا۔ اس کے پانی کو ایک یہودی نے برسوں سے اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ مسلمان اس سے قیمتاً پانی لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی اس تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ کوئی مسلمان اسے خرید کر وقف کر دے۔ اس پر عثمان غنیؓ نے تنہا یہودی کو منہ مانگی قیمت ادا کر کے ایک روایت کے مطابق پینتیس ہزار (35000) درہم تھی خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اسی طرح مدینہ منورہ ہی میں ایک بڑی مرکزی مسجد بنانے کی خاطر جب غیر مسلموں سے زمین خریدنے کا معاملہ پیش آیا تو بھی حضرت عثمان غنیؓ نے سب سے زیادہ مالی معاونت فراہم کی تھی، بعد میں جب لوگوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنگ معلوم ہوئی، مسجد کی توسیع و تعمیر کی خاطر بھی حضرت عثمان غنیؓ ہی نے اپنی

بھرپور مالی خدمات پیش کر دی تھیں۔ وہ اپنی تمام دولت اور مال متاع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر اسلام کے قدموں میں نچھاور کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت و شیفتگی کا یہ حال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فقیرانہ زندگی کو دیکھ کر رویا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بڑے بڑے تحفے اور ہدیئے پیش کیا کرتے تھے۔

ایک واقعہ ہے کہ نبی پاک تشریف فرما تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کھجور کے چند خوشے لے کر حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی کھانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ دروازے پر ایک سائل نے صدا دی۔ ''اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو ہم پر رحم فرمائے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ خوشے اس سائل کو دے دیئے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی دلی خواہش تھی کہ وہ خوشے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کھائیں، اس لئے انہیں ناگوار گزرا۔ وہ سائل کے پیچھے گئے اس سے وہ خوشے خرید کر پھر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ سائل نے آ کر پھر سوال کیا، یہ عمل تین مرتبہ ہوا، ہر مرتبہ سائل کو دے دیتے اور حضرت عثمانؓ خرید کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کو قریش سے مصالحت کی گفتگو کرنے کے لئے مکہ بھیجا کہ وہ قریش کو بتائیں مسلمان صرف عمرہ کرنے کی نیت سے آ رہے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے مکہ جا کر سرداران قریش کو بتایا کہ مسلمان صرف عمرہ کے پاک ارادہ سے حرم شریف آ رہے ہیں۔ اس میں قریش مکہ کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ سرداران قریش نے جواب دیا، ''عثمان! یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کو عمرہ کی اجازت دیں البتہ تم کو اجازت ہے تم عمرہ کر سکتے ہو۔''

حضرت عثمانؓ نے فرمایا! ''اے قریش کے لوگو! یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اللہ کے گھر کی تڑپ دل میں لئے ہوئے ایسے ہی لوٹ جائیں اور ان کا یہ ادنیٰ غلام عمرہ کرے۔'' خدا کی قسم! عثمانؓ سے یہ ہرگز نہ ہوگا۔ غرض عثمانؓ عمرہ کئے بغیر واپس لوٹ آئے۔ (تاریخ عروج اسلام ص 29) اُدھر مقام حدیبیہ پر بیٹھے ہوئے بعض صحابہ کرامؓ کہنے لگے کہ عثمانؓ بڑے خوش

قسمت ہیں کم از کم عمرہ تو ادا کر لیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عثمانؓ کے نبض شناس تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے یقین نہیں عثمانؓ میرے بغیر عمرہ وطواف کر لیں گے۔''

بیعت رضوان کی ایک عجیب امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ جب تمام صحابہ کرامؓ کی بیعت ہو چکی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ مبارک کو دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے فرمایا کہ: ''یہ میرا ہاتھ ہے اب میں عثمانؓ کی بیعت لیتا ہوں۔'' پھر اسی موقع پر ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ ہے وہ میرا ہاتھ ہے۔'' اس حوالے کے تناظر میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کا شرف اور شان کیا ہوگی! یہ حضرت عثمان غنیؓ کے تاج فخر کا وہ طرہ شرف ہے جو ان کے علاوہ اور کسی کے حصے میں نہ آیا۔ (بخاری کتاب المناقب، باب مناقب عثمانؓ)

حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ جس روز میں نے اسلام قبول کرتے ہوئے اپنا سیدھا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اس دن سے کبھی وہ ہاتھ میری شرم گاہ سے مس نہیں ہوا، ہر غلاظت سے داہنے ہاتھ کو بچا کر رکھتے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے متعلق ظاہری افواہ پھیل جانے کی بنا پر مسلمانوں نے آپؓ کا بدلہ لینے اور خود کو اس جنگ میں ثابت قدم اور قوی رکھنے پر بیعت کی تھی۔

اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمان غنیؓ ہمیشہ افسردہ خاطر رہتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے کہ افسوس میرا رشتہ خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹوٹ گیا جس قدر اپنی محرومی کا ماتم کروں کم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن میری قرابت کے سوا تمام قرابت داریاں منقطع ہو جائیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں زیادہ دیر تک اس نعمت سے محروم نہ رکھا بلکہ کچھ مدت کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی اُم کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے کر دیا تھا۔ اس طرح ان کا خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بار پھر رشتہ استوار ہو گیا۔ اس تعلق اور حوالے سے حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین بھی کہلانے لگے۔

(کنز العمال جلد 6)

حضرت عثمان غنیؓ کا ایک بہت بڑا کارنامہ قرآن مجید کا مصدقہ نسخہ جمع کر کے اسے رائج کرنا بھی ہے۔ جمع قرآن مجید کے اس کارنامے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیرینہ خواہش کی

تکمیل کی گئی ہے کیونکہ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قرآن پاک کا مستند معیاری نسخہ تیار ہو جانا چاہئے۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان غنیؓ ہمارے پاس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لباس کو درست فرما لیتے اور فرماتے، ''میں اس شخص سے کس طرح شرم نہ کروں جس سے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں؟''۔

حضرت عثمان غنیؓ کو اللہ تبارک تعالیٰ نے دین کی دولت کے ساتھ ساتھ دنیا کی دولت سے بھی خوب نوازا تھا۔ وہ اپنی تمام دولت ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔

9 ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قیصر روم کی فوجیں مدینہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہی ہیں۔ تمام عیسائی قبائل جمع ہو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ ہرقل کی فوج کو عرب کی سرزمین میں داخل ہونے سے پہلے روکا جائے لیکن اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت بہت خراب تھی اور رومی فوج کے مقابلے کے لئے بڑی تیاری کی ضرورت تھی۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی استطاعت کے مطابق بڑی فراخدلی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مال و دولت قربان کیا۔ لیکن اس موقع پر جس طرح حضرت عثمان غنیؓ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کی مثال ممکن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پریشانی دیکھ کر بہت افسردہ ہوئے اور خدمت اقدس میں عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا مال قبول کریں، میں ایک تہائی فوج کے لئے تمام سامان جنگ مہیا کروں گا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے تنہا تیرہ ہزار (13000) فوج کا سامان مہیا کیا، لیکن اس سے بھی طبیعت کو تسلی نہ ہوئی پھر بارگاہ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری جان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہو، میں ایک ہزار اونٹ، ستر (70) گھوڑے اور ایک ہزار دینار مزید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو شرف قبولیت بخشیں۔''

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عثمان غنیؓ کی اس محبت و خلوص سے بے پناہ متاثر

اور خوش ہوئے اور فرمایا: ''مَاضَّرَ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمُ ۔یعنی آج کے بعد عثمانؓ کو ان کا کوئی بھی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' (ماہنامہ ہدیٰ مردان حق نمبر)

مالی اعانت کے لحاظ سے سوائے ابوبکر صدیقؓ کے یہ سب پر فوقیت لے گئے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور پیارا انداز:

ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی دعوت کی۔ جب نبی دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ، عثمانی دعوت کے لئے ان کے گھر کی طرف تشریف لا رہے تھے تو حضرت عثمانؓ پیچھے پیچھے کچھ گنتے جا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! ہمارے پیچھے کیا گنتے آ رہے ہو؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک گنتا آ رہا ہوں کہ ہمارے مکان تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے قدم مبارک ہوتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عثمانؓ ہمارے قدموں کو گن کر کیا کرو گے؟ حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا: آج سے بڑھ کر مجھے کیا خوشی مل سکتی ہے، میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قدم کے بدلے ایک غلام آزاد کروں گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ دعوت سے فارغ ہوئے تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قدم کے بدلے اتنے ہی غلام آزاد کئے جتنے قدم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان سے لے کر عثمانؓ کے مکان تک گئے تھے۔

حضرت عثمانؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زاہدانہ زندگی دیکھ کر بے قرار رہتے تھے جب بھی موقع ملتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تحائف پیش کرتے۔ آپؓ اپنے ہر قول وفعل میں سنت کے اتباع کا خیال رکھتے تھے۔

ایک دفعہ سامنے سے جنازہ گزرا تو کھڑے ہو گئے، فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ شرم وحیا آپؓ کا خاص وصف تھا۔ آپؓ میں اتنی شرم وحیا تھی کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حیا کا لحاظ کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ اپنی حرکات وسکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی اتباع کو پیش نظر رکھتے تھے۔ایک مرتبہ وضو کرتے ہوئے متبسم ہوئے لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا، میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحی فداہ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے ہنستے دیکھا تھا۔ایک دفعہ لوگوں کے سامنے وضو کر کے دکھایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔آپ خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر کے ساتھ آپؓ کی محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلافت کے آخری سال جب افراتفری کا شکار ہو گئے تو آپؓ کے ساتھیوں نے باغیوں کے خلاف مدینہ میں فوج بھیجنے کی اجازت چاہی تو عثمانؓ نے یہ کہہ کر پیشکش ٹھکرادی کہ میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں کشت وخون نہیں دیکھنا چاہتا۔

34ھ میں جب حضرت عثمانؓ نے تمام گورنروں کو مدینہ منورہ بلایا تو اس میں امیر معاویہؓ بھی شریک تھے۔جب کانفرنس ختم ہوئی تو امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے عرض کی،''یا امیر المومنین! مجھے حالات اچھے نہیں نظر آتے،فتنہ فساد بڑھتا نظر آتا ہے۔آپؓ میرے ساتھ شام چلیں وہاں آپؓ نہایت امن وامان کے ساتھ رہ سکیں گے۔حضرت عثمانؓ نے اس پیشکش کے جواب میں فرمایا: معاویہؓ! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا؟ اگر میرے پرخچے اُڑا دیئے جائیں تو بھی مجھے یہ گوارا نہ ہوگا کہ اس دیار کو ترک کردوں جس کو حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آباد کیا گیا تھا۔

یہ وہ شہر ہے جس کے لئے سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی:

''قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم، اللهم حبب الينا المدينة لحبنا مكة او اشد''۔(صحیح بخاری)

ترجمہ:''اے اللہ! ہمیں مدینہ سے ایسا ہی پیار دے جیسا پیار ہم کو مکہ سے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔''

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا:

حضرت عثمان جیسے عظیم المرتبت صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند شر پسندوں نے قرآن کی تلاوت کے دوران 18 ذوالحجہ 35ھ میں جمعہ کے دن عصر کے وقت نہایت بے دردی سے شہید کردیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امیر المومنین حضرت علیؓ بن ابی طالب اسلام کی عظیم ترین اور مایہ ناز ہستیوں میں سے ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ان کی حیات مبارکہ اسلامی کردار کی صحیح تصویر تھی۔ آپؓ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلیم وتربیت کا شرف عظیم حاصل کیا۔ گہوارہ نبوت میں بچپن گزرا، آپؓ کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس ہے۔ عشرہ مبشرہ کے ممتاز و نامور رکن تھے۔ ان کو قدامت اسلام اور دامادی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرف حاصل تھا۔

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا، حضرت علیؓ کی عمر نو دس سال تھی۔ بچوں میں سب سے پہلے آپؓ ہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ نبی پاک سے محبت کا یہ عالم تھا کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جو بات نکلتی تھی حضرت علیؓ اس کو پورا کرنے کے لئے فوراً تیار ہو جاتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ آپؓ کو حضور سراپا لطف وکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی محبت ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ خدائے پاک کی قسم، ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک، اپنی جانوں سے، اپنے مالوں سے، اپنی اولادوں سے، اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب ہیں۔ (شفا شریف، حکایات صحابہ کرامؓ) حضرت علیؓ بچپن ہی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت والفت رکھنے لگے تھے۔ ان کا اکثر وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ساتھ گزرتا تھا۔ اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور مکارم اخلاق کا اثر شروع دن ہی سے پڑنے لگا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو عبادت میں مصروف دیکھا اور اس موثر نظارے نے آپؓ پر بہت اثر کیا، پوچھنے لگے۔ آپ دونوں کیا کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنی نبوت کی خبر دی اور کفر وشرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، توحید الٰہی شامل حال ہوئی اس لئے غور وفکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور اعلان اسلام فرما دیا۔

اپنے اسلام قبول کرنے کے اس عمل خیر میں نو خیز حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنے والد محترم جناب ابو طالب کی رائے اور اجازت کا انتظار بھی نہ کیا۔

بعثت کے چوتھے سال جبکہ حضرت علی کی عمر ابھی چودہ یا پندرہ سال ہوگی، اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس امر کا حکم ہوا کہ اپنے عزیزوں اور لواحقین، دیگر رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے۔ اللہ کے دین کی دعوت دی جائے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے اس حکم پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہ صفا پر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور اسلام کی دعوت پیش کی، پھر فرمایا تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی کہ گو میں عمر میں چھوٹا ہوں، میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپؐ کا معاون و مددگار اور قوت بازو بنوں گا۔ یہ آواز حضرت علی بن ابی طالب کی تھی۔ تمام مجلس پر سناٹا چھایا ہوا تھا کسی کی ہمت نہیں تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار اس بات کو دہرایا، اس کے جواب میں تینوں دفعہ حضرت علیؓ ہی کی آواز اُبھری۔ (طبری جلد 3)

دین اسلام کی خاطر نوجوانی ہی میں حضرت علیؓ کی اس وارفتگی و جاں نثاری کے جذبے کو دیکھتے ہوئے اب تو دشمنوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ کا بھی تمسخر اڑانا شروع کر دیا۔ لیکن اس صورت حال میں بھی حضرت علیؓ ہمہ وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعظ ونصیحت کو بڑے شوق اور چاہت ومحویت کے ساتھ سنتے تھے۔ اول اسلام لانے والوں اور چھوٹی عمر میں مشرف بہ اسلام ہونے والوں میں اس نوجوان علیؓ مرتضٰی کا رتبہ بڑی امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ حقیقت یہ ہے ان کا اسلام لانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و بلند کرداری کی سب سے بڑی شہادت ہے، حضرت علیؓ کا ایمان اس وقت بھی بڑے سے بڑے فرزانے کے ایمان کے برابر تھا جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے یثرب کی جانب ہجرت کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ کی عمر بائیس تیئیس سال ہے۔ اس سفر میں ابوبکر صدیقؓ کو تو یہ شرف حاصل ہو رہا ہے کہ ان کی ہم سفری، جاں نثاری کے حوالے سے بہت بڑی سعادت بن جاتی ہے۔ دوسری طرف اللہ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا زاد بھائی سے اس سے بھی اہم کام لیتے ہیں۔ اس اہم کام میں جان کا پورا خطرہ اور ایثار، حوصلہ اور محبت کا بھی مکمل دخل ہے۔ بہر صورت

محاصرے کے عین درمیان میں نبی دو جہاں صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر خاموشی کے ساتھ اپنے رفیق ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچ گئے، گھر سے باہر نکلتے وقت، آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ''تم میرے بستر پر میری حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو، تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا، میں ہجرت کر رہا ہوں میرے پاس فلاں فلاں امانتیں ہیں یہ ساری امانتیں واپس کر کے تم بھی آ جانا۔''

اس عنفوان شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنا فدویت و جاں نثاری اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کا عدیل المثال کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ جاری رہا۔ مشرکین اس دھوکے میں رہے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم استراحت فرما ہیں۔ عربوں میں یہ خوبی تھی کہ وہ بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل نہیں ہوتے اس لئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے رہے۔ ایک طرف تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے خون کے پیاسے ہیں دوسری طرف انہیں صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم اپنی امانتوں کے امین بھی سمجھتے ہیں، ایسی بھیانک رات میں کیسے نیند آ سکتی تھی جبکہ جان و ایمان سے بڑھ کر محبوب بھی جدا ہو رہا ہو، باہر تلواروں کی نوکیں ہیں، نیچے کانٹوں کا فرش ہے مگر تعمیر حکم کے آگے سر جھکا دیتے ہیں، صرف تعمیل ارشاد ہی نہیں بلکہ اس خوشخبری پر بھی اتنا یقین ہے کہ ''تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔'' آرام سے سو جاتے ہیں، ایمان کی یہ پختگی، قلب کا یہ ایمان حضرت علیؓ کے سوا اور کسے حاصل ہو سکتا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کی امانتیں اہل امانت کے سپرد کیں۔ اس کے بعد مدینہ کی جانب ہجرت کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کے ساتھ بے سہارا، ضعیف و کمزور مومنوں کی ایک جماعت تھی۔ اس چھوٹے سے قافلے کے ساتھ حضرت علیؓ رات کو سفر کرتے اور دن میں کہیں چھپ جاتے، مسلسل سفر کرتے کرتے آپؓ کے پاؤں پر ورم آ گئے اور پھٹ گئے۔ جب مدینہ قباء کے مقام پر پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے بڑھ کر گلے لگا لیا، متورم پاؤں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ اپنا لعاب مبارک پاؤں پر لگایا جس کے بعد پاؤں بالکل ٹھیک ہو گئے۔

ابو سختیانیؒ کہتے ہیں جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ (سیرت النبیؐ جلد 1) جب خیبر کا قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہوا تو ایک شب آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے فرمایا! ''میں کل یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا اور وہ اللہ و رسول صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محبت کرتے ہیں۔''

اگلے دن صبح ہوئی لوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ان میں سے ہر شخص امیدوار تھا کہ یہ نشان (جھنڈا) اس کو ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیؓ کہاں ہے؟ صحابہ کرامؓ نے بتایا کہ انہیں آشوب چشم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلوایا اور لعاب مبارک ان کی آنکھوں میں لگایا پھر دعا فرمائی، انؓ کی شکایت فوراً دور ہوگئی گویا تکلیف تھی ہی نہیں۔تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رایت ظفر (فتح کا جھنڈا) ان کے ہاتھ میں دیا۔ یہودیوں کا یہ قلعہ بہت ہی مضبوط تھا، پیہم کوششوں کے باوجود جب یہ قلعہ مسخر نہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا علیؓ کے ہاتھ میں دے دیا۔

حضرت علیؓ کے مقابلے میں خیبر کا رئیس مرحب تلوار ہلاتا، رجز پڑھتا ہوا مقابلے کے لئے آیا۔اس کے مقابلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، رجز خواں آگے بڑھے اور پہلے ہی وار میں مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا وہ گر کر مر گیا۔اس کی فوج حوصلہ ہار گئی اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں خیبر کا یہ مضبوط قلعہ مسخر ہوا، خیبر کی فتح کو حضرت علیؓ کے کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔

(مشکوٰۃ متفق علیہ باب مناقب علیؓ بن ابی طالب)

حدیبیہ کی شرائط طے کرنے کے لئے قریش مکہ نے سہیل بن عمرو کو اپنا مشیر بنا کر بھیجا، صلح کی شرائط طے ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرائط معاہدہ لکھنے کے لئے حضرت علیؓ کو حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے معاہدے کا عنوان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا، سہیل نے اعتراض کیا عربوں کا طریقہ ''بامسک اللھم'' لکھنے کا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؓ سے فرمایا وہی لکھو جو سہیل کہتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے مٹا کر **باسمک اللھم** لکھ دیا۔ پھر آگے لکھا کہ یہ شرائط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل بن عمرو سے طے کی ہیں۔سہیل نے پھر اعتراض کیا،''اگر قریش یہ مان لیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں تو پھر جھگڑا ہی کیا رہ جائے۔اس لئے محمد بن عبداللہ لکھیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا کہ جیسے سہیل کہتا ہے ایسے ہی لکھ دو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن کی محبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دیوانگی کی حد تک بڑھی ہوئی تھی، بولے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ سے تو یہ نہ ہوگا کہ میں آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے نام کے آگے سے لفظ یارسول اللہ مٹاؤں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس عاشق صادق کے جذبات کو سمجھ گئے اور اپنے ہاتھ سے ان الفاظ کو مٹایا۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، کتاب المغازی باب عمرۃ القضا)

ایک دن حضرت علیؓ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر کام کی تلاش میں نکلے، ایک باغ کی بیوہ مالکن کے پاس گئے اور فرمایا، کیا تم اپنا باغ سیراب کرانا چاہتی ہو؟ جو معاوضہ دو گی مجھے قبول ہوگا۔ اس عورت نے کہا ہاں مجھے باغ میں پانی دینے کی ضرورت ہے۔ تمام رات باغ کو پانی دیتے رہے۔ فجر کے وقت رات بھر کی اُجرت کے لئے اس عورت نے کچھ کھجوریں پیش کیں۔ شدت سے بھوک لگی تھی، چاہا کچھ کھجوریں کھا کر پانی پی لوں پھر فوراً خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر بھوکے رہتے ہیں ایسا نہ ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاقہ سے ہوں اور میں اپنے پیٹ کی بھوک مٹالوں۔ چونکہ ان کی نظر میں اعمال کا محور شکم نہیں بلکہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا اس لئے کھجوریں کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

غرض کھجوروں کی پوٹلی بغل میں دبائے اس غرض سے مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر یہ کھجوریں کھائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی حجرے سے باہر تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لئے مسجد کے ایک گوشہ میں فرش خاک پر دراز ہو گئے اور نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے دیکھا تو اللہ کا شیر ننگے بدن پڑا سو رہا ہے چادر کمر کے نیچے سے سرک گئی ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی یہ سادگی بہت پسند آئی، خود دست مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت کے لہجہ میں فرمایا: ''اجلس یا ابا تراب۔'' (ابوتراب کے معنی مٹی کے باپ کے ہیں) مٹی والے اب اُٹھ بیٹھ۔ حضرت علیؓ نے اُٹھ کر کھجوروں کا نذرانہ خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا۔ (بخاری کتاب المناقب علیؓ۔ شرح اسرار خودی)۔

زبان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کی ہوئی یہ کنیت آپؓ کو اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس کنیت سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔ حضرت علیؓ کو اس نام سے پیارا اور کوئی نام نہ تھا۔ حضرت علی صاحب الرائے تھے۔ احادیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اور جب وہ فیصلے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علیؓ نے کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور فیصلے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''اُس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو حکمت سکھائی۔'' (مسند احمد بن حنبلؒ جلد اول ص 77) (سیر الصحابہؓ جلد 1)

حضرت علیؓ کی سادگی، تواضع، انکساری اُن کی دستار فضیلت کا سب سے خوش نما طرہ ہے۔ حضرت سوید بن غفلہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا آپؓ کے سامنے جو کی روٹی اور دودھ کا پیالہ رکھا ہوا ہے روٹی اس قدر خشک ہے کہ بہت مشکل سے ٹوٹتی ہے یہ دیکھ کر مجھے سخت افسوس ہوا، میں نے اپنی خادمہ فضہ سے کہا جو چھان کر روٹی پکایا کرو، فضہ نے کہا سرکار کا حکم ہے جو چھان کر روٹی نہ پکائی جائے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ کہنے لگے، ''ابن غفلہ! خادمہ کو کیوں ڈانٹ رہے ہو؟'' میں نے کہا، آپؓ اتنی تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں؟ کہنے لگے، ''سوید! تم پر افسوس ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی متواتر تین دن تک گیہوں کی روٹی نہیں کھائی اور نہ کبھی جو چھان کر روٹی پکائی گئی تھی۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب کا کردار و عمل دیگر تمام مجاہدین کے مقابلے میں سب سے زیادہ اعلیٰ اور ممتاز رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر جنگ میں حضرت علیؓ ہمیشہ شمع رسالت حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب رہنے والوں میں سے تھے گویا اس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس مرکزی دستے میں شامل رہے کہ جس کے محور و مرکز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوتے تھے۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ علیؓ آئے اور آنکھوں میں آنسو تھے، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کے درمیان مواخات قائم فرمائی اور میرا کسی کے ساتھ بھی بھائی چارہ نہیں کروایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تم میرے بھائی ہو، دُنیا میں بھی آخرت میں بھی۔''

(انت اخی فی الدنیا والاخرة) (رواہ ترمذی فقال حسن وغریب)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سن مبارک سترہ یا اُنیس سال کا تھا کہ دعوت اسلام کی صدائے دلنواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر خلعت ایمان سے مشرف ہوئے اور سابقون الاولون کی صف میں شامل ہو گئے۔

آپؓ کو عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کی سعادت بھی حاصل ہے۔ آپؓ کا شمار مستجاب الدعوات صحابہ کرامؓ میں ہوتا تھا۔

حضرت سعدؓ کو اپنی والدہ سے بڑی محبت تھی۔ والدہ کے حد درجہ فرمانبردار تھے آپؓ کی والدہ نے جب بیٹے کے تبدیل مذہب کا حال سنا تو بہت ناراض ہوئیں، ناز بردار بیٹے پر بڑا بھروسہ تھا کہنے لگیں سعد! اپنا نیا مذہب چھوڑ دو، ورنہ میں کھانا، پینا اور بولنا چالنا سب چھوڑ دوں گی۔ سعدؓ ماں کے بہت اطاعت شعار اور فرماں بردار تھے ان کے لئے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا لیکن چونکہ دل توحید کا لذت آشنا ہو چکا تھا، کیسے پھر کفر و شرک کی طرف رجوع کر سکتا تھا، ہر چند ماں کو منانے کی کوشش کی لیکن وہ بضد رہی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مذہب کو چھوڑ دو۔

حضرت سعدؓ کا ایک ہی جواب تھا گو ماں تم مجھے بہت عزیز ہو لیکن تمہارے قالب میں ہزار جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں چھوڑوں گا، ماں کی ناراضگی کے علاوہ کفار و مشرکین کی طرف سے طعنے سہنا، گالیاں سننا اور بہت سی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن کیا مجال کہ آپؓ کے پائے استقلال میں ذرا بھر بھی خراش آئی ہو۔

حضرت سعدؓ نے فرمایا: ''اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی اور کی محبت کہاں ٹھہر سکتی ہے کہاں ٹک سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور توحید کی لذت سے جو دل آشنا ہو چکا ہے وہ اب دنیا کی محبت اور کفر و شرک کی طرف کسی طرح بھی نہیں لوٹ سکتا۔''

(مسلم مناقب سعد بن ابی وقاصؓ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ شان استقامت رب ذوالجلال کو کچھ ایسی

پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لئے معصیت الٰہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنا دیا گیا۔ چنانچہ آیت نازل ہوئی۔ ترجمہ: ''اگر والدین تجھ کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جن کا کوئی علم و یقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر۔''

(سورۂ لقمان، آیت نمبر 14 پارہ 21) (مسلم مناقب سعد بن ابی وقاص)

تقریباً تمام غزوات میں غیر معمولی شجاعت اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔ خاص طور پر 3ھ میں غزوہ اُحد پیش آیا۔ گھاٹی کو قبل از وقت از حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ دینے کی وجہ سے ملمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اُن ثابت قدم صحابہ کرامؓ کی صف میں تھے جن کے پائے استقلال کو آخر وقت تک لغزش نہ ہوئی۔ حضرت سعد بن وقاصؓ تیراندازی میں کمال رکھتے تھے۔ اس لئے جب کفار کا نرغہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ترکش سے تیر نکال کر حضرت سعدؓ کو پکڑاتے اور فرماتے: انہیں پھینکو، میرے ماں باپ تم پر فدا، اور یہ کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعدؓ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں کہے یعنی اپنے ماں باپ دونوں کو جمع نہیں کیا۔ (الرحیق المختوم، ص 244) اور حضرت سعدؓ نے بھی اس روز اس جانفشانی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع کا حق ادا کیا، گویا وہ گیارہ لوگوں کے برابر لڑ رہے ہوں۔ اُحد کے روز انہیں پینتیس یا اُنتالیس زخم آئے، آپؓ کی شہادت کی انگلی اور اُس کے ساتھ والی شل ہو گئیں۔ (سنن نسائی، 2۔52)

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سعدؓ کے سوا کسی کے لئے ''فداک ابی وامی'' کا جملہ نہیں سنا۔ روایت ہے جنگ اُحد کے دن حضرت سعدؓ نے ایک ہزار تیر چلائے تھے۔ کفار بار بار آپؓ کو نرغے میں لینے کی کوشش کرتے رہے لیکن حضرت سعدؓ اپنے تیروں سے اُن کے منہ پھیر دیتے تھے۔ (بخاری کتاب المغازی غزوہ احد)

صحیح بخاری میں ہے کہ اُس نازک وقت میں حضرت سعدؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں کھڑے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ترکش سے تیر نکال کر دیتے جاتے تھے۔ جنگ اُحد میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ تمام صحابہؓ لڑتے لڑتے منتشر ہو گئے۔ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے درمیان حائل ہو گئے۔ ایسے وقت میں حضرت سعدؓ نے انتہائی جانبازی کا مظاہرہ

کیا......ایک مشرک جس نے اپنے حملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بُرے ارادے سے بڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سعدؓ اس کو تاک کر تیر مارو''۔مگر ترکش اس وقت خالی ہو چکا تھا کوئی تیر ان کے پاس نہ تھا مگر تعمیل ارشاد بہت ضروری سمجھتے تھے،اس لئے انہوں نے ایک ٹوٹے ہوئے پھل کا تیر اٹھا کر اس صفائی سے اس مشرک کی پیشانی پر تاک کر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ حالت میں زمین پر گر پڑا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعدؓ کی اس درانداز ی اور مشرک کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس دیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک بھی نظر آنے لگے۔(بخاری کتاب المغازی،غزوہ اُحد۔مسلم کتاب المناقب سعد بن ابی وقاص)

حضرت سعد بن وقاصؓ کی خدمت، جاں نثاری اور محبت کا اندازہ لگایئے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں ہوتے تو سعدؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی بڑی فکر رہتی تھی، رات کو خوشی خوشی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ کے گرد بڑی مستعدی سے پہرہ دیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوہ سے تشریف لا رہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے:

''کاش!میرے اصحابؓ میں سے کوئی مرد صالح پہرہ دیتا۔''

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ابھی یہ جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی، نبی دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا،''کون ہے''۔جواب ملا،سعد بن ابی وقاصؓ، ارشاد ہوا،تم اس وقت کیسے آئے؟ عرض کی یارسول اللہ!''خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ مقام محفوظ نہیں ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرنی چاہیئے بس اس فرض کو انجام دینے آیا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعدؓ کے اس جذبہ محبت اور جاں نثاری پر بہت مسرور ہوئے اور ان کے لئے دعا فرمائی۔(صحیح بخاری کتاب الجہاد،مسلم مناقب سعدؓ بن وقاص)۔

عتبہ بن ابی وقاص،حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا بھائی تھا۔اُس نے جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کو زخمی کیا تھا۔(بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا)

اُحد کے موقعہ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ بددعا ہمیشہ عتبہ بن ابی وقاص کے دل میں کھٹکتی رہتی تھی۔ترجمہ:۔''اُن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب ہو،جنہوں نے اس کے پیارے رسول

صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے چہرے کو زخمی کیا اور خون بہایا۔'' عتبہؓ اپنے اس فعل پر زندگی بھر پشیمان رہے۔ ان سے بھی زیادہ پشیمانی اس فعل پر ان کے بھائی سعد بن ابی وقاصؓ کو تھی۔ ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا، تم عتبہؓ سے اتنی کم التفائی کیوں برتتے ہو؟

حضرت سعدؓ نے فرمایا، ''حالانکہ عتبہؓ میرا حقیقی بھائی ہے مگر یوم اُحد میں جس دن اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے رُخ اقدس کو زخمی کیا ہے اس دن سے میں عتبہؓ سے زیادہ کسی کے خون کا پیاسا نہیں رہا ہوں اگر اسلام مسلمان کا خون جائز رکھتا تو یقیناً میں اپنے بھائی عتبہؓ کو قتل کر دیتا۔''

(مسلم مناقب سعدؓ بن ابی وقاص)(سیر الصحابہؓ جلد اول، مہاجرین حصہ اول ص 105)

''محبت ہو تو ایسی ہو'':

روایت ہے جنگ اُحد سے ایک دن پہلے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن جحشؓ ایک جگہ اکٹھے ہوئے، حضرت سعدؓ نے دعا مانگی، ''الٰہی کل جو دشمن میرے مقابلے میں آئے وہ بڑا بہادر و غضبناک ہو اور مجھے اتنی طاقت دے کہ تیری راہ میں اسے ہلاک کر دوں۔'' حضرت عبداللہ بن جحش نے آمین کہی...... پھر عبداللہ بن جحشؓ نے یوں دعا مانگی، ''الٰہی میرے مقابلے میں کل جو دشمن آئے وہ نہایت جنگجو اور غصہ ور ہو اور مجھے اُس کے ہاتھ سے شہادت نصیب ہو۔'' حضرت سعدؓ نے بھی ان کی دعا پر آمین کہی۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے دونوں کی دعائیں قبول کیں، حضرت سعدؓ نے ایک نامی مشرک کو قتل کیا اور حضرت عبداللہؓ بن جحش نے جام شہادت نوش فرمایا۔ لڑائی کے بعد سعدؓ کا لاش پر گزر ہوا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔ ''خدا کی قسم! عبداللہؓ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔'' (اسد الغابہ)

10 ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے حجتہ الوداع کا قصد فرمایا، تو سعد بن ابی وقاصؓ آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے ہمرکاب تھے، مکہ پہنچ کر سخت علیل ہو گئے اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔

طبیب رحمانی صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے شدید علالت کا سنا تو عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ سعدؓ رونے لگے، سعدؓ کو اشکبار دیکھ کر پوچھا روتے کیوں ہو؟ انہیں دیار رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا۔ بیماری جتنی بڑھتی جاتی تھی، اتنی ہی ان کی بے چینی

بڑھتی جاتی تھی اور گریہ و آہ وبکا کرتے تھے کہ ہائے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مٹی بھی نصیب نہ ہوگی۔

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا   تیرے لئے تو صحرا ہی طور تھا گویا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دلاسہ دیا، ان کے چہرے، پیشانی اور پیٹ پر دست مبارک پھیر کر دعا فرمائی ''اے اللہ! سعد کو شفا دے اور اس کی ہجرت کامل کر۔'' (صحیح مسلم، کتاب الوصایا)۔ مستجاب الدعوات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا حضرت سعدؓ کے حق میں آب حیات ثابت ہوئی اور وہ صحت یاب ہوگئے اور مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت سعدؓ کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کی ٹھنڈک آج تک اپنے جگر میں محسوس کرتا ہوں۔

حضرت سعدؓ کی عیادت کے موقع پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مخاطب ہوکر یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے تھے کہ ''اے سعدؓ! تمہیں اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری کو نفع نہ پہنچ لے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی حضرت سعدؓ کے حق میں پوری ہوئی، چند سال کے بعد ان کی قیادت میں اسلام نے ایران کی قوت کو پاش پاش کردیا۔ جس میں عجم قوم نے آپؓ کے ہاتھوں نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا۔ ان جنگوں میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے وہ کارنامے سرانجام دیئے جو تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت سعدؓ بیمار پڑ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی: ''الٰہی! سعدؓ کی دعائیں قبول فرمایا کر اور ان کی تیراندازی درست رکھ۔'' اس مبارک دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سعدؓ کو مستجاب الدعوات بنا دیا تھا۔ (صحیح بخاری)

''بے نظیر عشق'':

ہجرت سے قبل تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصائب والم برداشت کئے حالانکہ یہ محصوری صرف بنو ہاشم سے مخصوص تھی اس محصوری میں بعض اوقات جھاڑیوں اور درختوں کے پتوں کو اُبال کر اپنا پیٹ بھرنا پڑا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو اپنا

اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔اس والہانہ محبت کی بدولت حضرت سعدؓ کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خاص مقام حاصل تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،صبر واستقلال اور شجاعت کے ساتھ ساتھ تدبیر سیاست،انتظام سلطنت اور قیادت جیسی صلاحیتوں سے بہرے وافر عطا کیا تھا۔اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین ثم آمین)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا زبیر بن عوامؓ تاریخ اسلام کی ایک مہتم بالشان شخصیت ہیں۔ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہیں حواری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب عطا ہوا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی زبان مبارک سے جنت کی خوش خبری دی۔ اس طرح حضرت زبیرؓ عشرہ مبشرہ میں شامل ہوئے۔

ان کی جلالت قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ انہیں ارکان دین میں سے ایک رکن قرار دیا کرتے تھے۔ سولہ یا اٹھارہ برس کی عمر میں ہی دعوت حق پر لبیک کہا، سابقون الاولون میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ جب تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اپنے چچا کی محبتوں کے مرجع تھے لیکن جوں ہی انہوں نے دعوت حق کو قبول کیا، چچا کا رویہ بدل گیا اور اس نے ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ حضرت زبیرؓ کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے پوچھا، ''زبیرؓ کیا تو بھی اپنے آبائی مذہب سے پھر گیا ہے؟'' حضرت زبیرؓ نے نہایت نرمی سے جواب دیا، ''چچا جان میں مسلمان ہو گیا ہوں''۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں لوگوں کو توحید اور امن و عافیت کا پیغام دیتے ہیں۔''

حضرت زبیرؓ کے چچا نوفل بن خویلد یہ سن کر اور بھڑک اُٹھے۔ بال کھینچ کر مارنا شروع کر دیا اور کہا، ''زبیر یا تو، تو اس دین کو چھوڑ دے ورنہ تجھے ایسی سزا دوں گا کہ تیرا حال سننے والے بھی تیری حالت پر افسوس کریں گے۔''

حضرت زبیرؓ نے کہا، ''محترم چچا! کچھ بھی ہو اس ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تو اس دل میں اس طرح گھر کر چکی ہے کہ اس کا راستہ تو اب چھوٹنے والا نہیں ہے۔'' یہ سننا تھا کہ نوفل نے ایک کھجور کی چٹائی میں حضرت زبیرؓ کو لپیٹ دیا اور اونی کمبل کا ٹکڑا جلا کر اس کی دھونی دینی شروع کر دی۔ مستقل ناک میں دھواں جانے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے، جب وہ ہوش میں آتے تو یہ کمبل کا جلتا ہوا ٹکڑا ان کی ناک کے قریب کر دیتا۔ جب زبیرؓ کو ہوش آتا پھر سمجھانے لگتا کہ اپنے آبائی مذہب پر لوٹ آ۔ حضرت زبیرؓ بڑی دلیری سے جواب دیتے میں کسی بھی قیمت پر اپنے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے راستے کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، چاہے آپ تکلیفیں اور اذیتیں دیتے دیتے میری جان بھی لے لیں۔(اصحاب رسولؐ اور ان کے کارنامے)۔

جب چچا کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں تو حضرت زبیرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان پر حبش کی طرف ہجرت اختیار کی۔آپؓ نے ہر غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔آپؓ کا تمام جسم تلواروں کے زخموں سے داغدار تھا۔فرمایا کرتے تھے خدا کی قسم میرے جسم پر کوئی زخم ایسا نہیں ہے جس کو میں نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہ کر اللہ کے راستے میں نہ کھایا ہو۔

حضرت عروہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مکہ میں یہ وحشت اثر خبر پھیل گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین نے گرفتار کرلیا ہے اور کچھ کا کہنا تھا کہ نعوذ باللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں، بنو ہاشم سخت غیظ وغضب کے عالم میں سوچ رہے تھے کیا قدم اٹھایا جائے کہ نوعمر زبیرؓ کے کانوں میں بھی اس خبر کی بھنک پڑ گئی۔اس سولہ سالہ کشیدہ قامت اور قوی الجثہ نوجوان کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت تھی یہ خبر سن کر تڑپ اُٹھا اور شمشیر بکف مکہ کی گلیوں میں کود گیا۔ اس کا رخ کاشانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تھا جوش غضب سے چہرہ تمتمار ہا تھا، جلد ہی وہ کاشانہ مبارک پر پہنچ گیا، یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ صادق وامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیرو عافیت کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔

حضور شمشیر بکف نوجوان کو دیکھ کر متبسم ہو گئے اور فرمایا: ''زبیرؓ خیر تو ہے تم شمشیر برہنہ سونت کر کیسے آرہے ہو؟'' زبیرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں میں نے سنا تھا کہ ''دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کرلیا ہے یا شائد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں۔'' ارشاد ہوا اچھا تو یہ بات ہے اور اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟ زبیرؓ نے بے ساختہ کہا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم میں اہل مکہ سے لڑ مرتا۔'' زبیرؓ کا جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر بشاشت پھیل گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیرؓ کے جذبہ فدویت ومحبت کی تحسین فرمائی اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی بلکہ ان کی تلوار کو بھی دعا دی۔یہ پہلی تلوار تھی جو راہ حق اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

حمایت میں بلند ہوئی۔(اسد الغابہ)(اصابہ جلد 1،تذکرہ زبیرؓ)

حضرت زبیرؓ نے نوعمری ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا،ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب نے ان کو سپہ گری کی تربیت مخصوص طریقہ پر دلوائی تھی۔وہ کہا کرتی تھیں،''میں اپنے اس بیٹے کو اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کے لئے تیار کر رہی ہوں۔حضرت زبیرؓ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدائی تھے۔جان نثار کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہونے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و اطاعت میں آپؓ کے اخلاص نیت اور سرفروشانہ جانبازی کے ان گنت واقعات احادیث اور کتب تواریخ میں ملتے ہیں۔آپؓ کے جہاد باسیف کی داستاں عہد رسالتؐ سے لے کر خلافت راشدہؓ کے زمانے تک حیرت انگیز کارناموں سے بھری پڑی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ عین ہنگامہ کارزار میں ایک جنگجو مشرک ایک ٹیلے پر چڑھ کر للکارا،''کوئی ہے جو میرے مقابلہ پر آئے۔''اسی اثنا میں سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر حضرت زبیرؓ پر پڑی جو قریب ہی بیٹھے جوش وغضب سے بل کھا رہے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''اے ابن صفیہؓ! کھڑے ہو جاؤ اور اس مشرک کے مقابلے پر جاؤ۔حضرت زبیرؓ تیر کی طرح اس پر جھپٹے اور گھتم گھتا ہو گئے دونوں بڑے شہ زور تھے اور ایک دوسرے کو ٹیلے سے گرانے کی کوشش کر رہے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''اِن دونوں میں سے جو پہلے نیچے گرے گا وہ مارا جائے گا۔''پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیرؓ کے حق میں دعا فرمائی،چند ہی لمحوں بعد دونوں لڑھکتے ہوئے نیچے اس طرح گرے کہ مشرک نیچے تھا اور حضرت زبیرؓ اوپر تھے پلک جھپکنے کی دیر میں حضرت زبیرؓ نے اپنی تلوار سے مشرک کی گردن اُڑادی۔(کنزالعمال جلد 6)

یونسؒ بن اسحاق سے روایت ہے کہ جنگ اُحد میں طلحہ بن ابی طلحہ کفار کے علمبردار نے اپنے مقابلے کے لئے مسلمانوں کو للکارا تو حضرت زبیرؓ باہر نکلے،ایک جست لگائی اور اس کے ساتھ اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے پھر اس کو زمین پر پٹخ دیا اور نیچے اُتر کر اس کا کام تمام کر دیا۔سرورِکون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کی تعریف کی اور فرمایا:''ہر نبی کے لئے ایک حواری (جاں نثار) ہوتا

ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔'' (بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق)

غزوہ خندق میں نوفل بن عبداللہ نے جب اپنا مقابل طلب کیا تو حضرت زبیرؓ مقابلہ کے لئے نکلے اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے واپس آئے۔ میں ایسا ہوں جو اپنی بھی حفاظت کرتا ہوں اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کرتا ہوں۔

(بخاری کتاب المناقب زبیرؓ، مسند احمد جلد 1)

غزوہ اُحد میں حضرت زبیرؓ ان چودہ ثابت قدم صحابہ کرامؓ میں سے ایک تھے جو شروع سے آخر تک سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بنے رہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اثنائے جنگ میں ایک موقع پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شمشیر مقدس نیام سے نکالی اور فرمایا: ''کون ہے جو آج اس کا حق ادا کرے گا؟'' حضرت زبیرؓ اور حضرت ابو دجانہ انصاریؓ نے تین مرتبہ اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ بالآخر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار حضرت ابو دجانہ انصاریؓ کو عطا فرمائی، تاہم حضرت زبیرؓ کا فدویت ومحبت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جان قربان کرنے کا جذبہ تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لئے محفوظ رہ گیا۔ (زرقانی جلد دوم میں 32) (سیر الصحابہؓ حصہ دوم، سیر المہاجرین ص 59)

صحیح بخاری میں ہے حضرت عروہؓ بن زبیرؓ روایت کرتے ہیں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُحد میں زخم لگے اور مشرکین واپس چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال سے کہ کہیں وہ پلٹ نہ آئیں، فرمایا: ''کون ان کے تعاقب میں جاتا ہے؟'' صحابہ کرامؓ میں سے ستر لوگ اس کام کے لئے آمادہ ہوئے ان میں حضرت زبیرؓ بھی تھے۔

جب رئیس خیبر مرحب حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھوں مارا گیا اس کا قوی ہیکل جنگجو بھائی یاسر غضبناک ہوکر میدان میں آیا، حضرت زبیرؓ اس کے مقابلے کے لئے بڑھے۔ حضرت زبیرؓ کا قد وقامت یاسر کے مقابلہ میں کچھ نہ تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ آج یاسر کے ہاتھوں سے نہیں بچیں گے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کی لڑائی کے بعد حضرت زبیرؓ نے یاسر کو قتل کر دیا۔ (بخاری شریف، طبقات ابن سعدؓ)

بنوقریظہ اور مسلمانوں میں باہم خیر سگالی کا معاہدہ تھا لیکن جنگ خندق کے موقع پر یہودیوں

کی نیت بدل گئی۔ اہل حق کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان غداروں کے فاسق ارادوں کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا: ''کون بنوقریظہ کی خبر لاتا ہے؟'' حضرت زبیرؓ نے آگے بڑھ کر عرض کی ''یارسول اللہ! میں جاتا ہوں۔'' سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے الفاظ دہرائے اور تینوں مرتبہ حضرت زبیرؓ نے اپنے آپ کو اس پرخطر کام کے لئے پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جذبہ محبت وفدویت پر بہت خوش ہوئے۔

صحیح بخاری میں عبداللہؓ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ غزوہ احزاب (خندق) میں عمر بن ابی سلمہؓ اور میں عورتوں کے ساتھ کر دیئے گئے تھے۔ میں نے دیکھا حضرت زبیرؓ گھوڑے پر سوار دو یا تین مرتبہ بنوقریظہ کی طرف گئے اور واپس آئے۔ جب شام کو میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا، ابا جان میں نے آپؓ کو بنوقریظہ کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا: ''بیٹا! تم نے مجھے دیکھا تھا؟ میں نے کہا، ہاں، حضرت زبیرؓ نے فرمایا: ''محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کون بنو قریظہ کی خبر لاتا ہے۔'' میں گیا جب واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے اپنے ماں باپ جمع کئے اور فرمایا: ''میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔''

اکثر اہل سیرت کا بیان ہے کہ ''فِداکَ اَبِی و اُمّی'' کے الفاظ لسان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے سوا کسی اور کے لئے نہیں نکلے۔''

حضرت زبیرؓ کو ہر وہ شرف جو دورِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی مسلمان کا طرہ افتخار ہوسکتا تھا انہیں حاصل ہوا۔ اسلام کے پُر آشوب دور میں سب سے پہلے سیدالانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وحمایت میں تلوار بلند کی، حضرت زبیرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت قریبہ حاصل تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنگ بدر کے دن حضرت جبرائیل علیہ السلام پیلے رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے حضرت زبیرؓ کی شکل وصورت میں فرشتوں کی فوج لے کر اترے تھے۔
(کنزالاعمال جلد 2، مطبوعہ حیدرآباد)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ کے ممتاز رکن ہیں۔ بڑے شجاع اور جانباز تھے۔ جب کوئی شخص حلقہ بگوش اسلام ہوتا تھا تو تمام لوگ ان کے دشمن بن جاتے تھے۔ تعلق اور رشتوں کو بالائے طاق رکھ کر اُس پر ظلم واستبداد کے دروازے کھول دیتے تھے۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ اذیتوں سے تنگ آ کر دوبارہ بت پرستی کی طرف لوٹ آئے۔ مگر اُن کو یہ خبر نہ تھی کہ دین حق میں شامل ہونے کے بعد مصائب وآلام کا برداشت کرنا ان پر آسان ہوجاتا تھا۔

ابوعبیدہؓ پر بھی ستم ڈھائے گئے، حربے آزمائے گئے مگر وہ بڑے صبر واستقلال کے ساتھ ہر قسم کی مصیبتیں اور مصائب جھیلتے رہے لیکن اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وابستگی ومحبت میں کمی نہ آنے دی۔

تمام غزوات ومشاہدات میں حضرت عبیدہؓ بن جراح نے بڑی گرم جوشی و جانفروشی سے شرکت کی۔ غزوہ احد میں لعین عبداللہ بن قمیہ کے حملہ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے انور زخمی ہوگیا زرّہ کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں کھب گئی تھیں، شدید تکلیف تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑی تیزی سے اپنے ہادی وآقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف گئے۔ دوسری طرف سے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح بھاگتے ہوئے آئے جیسے ہوا میں اُڑ رہے ہوں۔ حضرت عبیدہؓ بن جراح نے ملتجیانہ انداز میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا، میں آپؓ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں مجھے اجازت دیں کہ میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گال سے زرّہ کے حلقے نکالوں۔ حضرت ابوبکرؓ حالانکہ خود اس سعادت سے بہرہ ور ہونا چاہتے تھے، انہوں نے اجازت دے دی۔

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے پہلے زرّہ کے ایک حلقہ پر اپنے دانت رکھ کر پوری قوت و طاقت سے اُسے باہر کھنچا اس میں آپؓ کا ایک دانت شہید ہوگیا۔ زرّہ کے دوسرے حلقہ کو دانتوں سے زور لگا کر باہر نکالا تو دوسرا دانت بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوگیا۔

غزوہ احزاب و بنوقریظہ میں بھی آپؓ نے مثالی جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔ یہی آرزو تھی کہ کسی

طرح محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم راضی ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا یہی واحد طریقہ تھا۔

حضرت عبیدہؓ بن جراح معرکہ بدر میں شریک بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے، آپؓ کا باپ عبداللہ بن جراح کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ بیٹے کے اسلام لانے پر سخت برگشتہ ومضطرب تھا۔ تمام رشتوں کو بھلا کر وہ بیٹے کا جانی دشمن بن گیا تھا۔ اب اُسے موقع ملا تھا کہ بیٹے سے اُس کے اسلام قبول کرنے کا بدلہ لے سکے۔ اس لئے تاک تاک کر بیٹے کو نشانہ بنا رہا تھا لیکن ہر بار بیٹے نے درگزر سے کام لیا، جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتا تو اسلامی حمیت نسبتی رشتے پر غالب آگئی اور ایسا وار کیا کہ باپ کو خون میں نہلا دیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ (اسد الغابہ جلد 3)

یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم اور اسلامی جوش ومحبت کی ایسی مثال تھی جو چشم فلک نے شائد اس سے قبل نہ دیکھی ہو۔ ان عظیم جذبوں کو اللہ تعالیٰ نے بے حد پسند فرمایا۔

میدان بدر میں یہ اللہ کے دین اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے لئے اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار تھے۔ اس معرکہ میں انہوں نے سورہ مجادلہ کی اس آیت کی عملی تفسیر پیش کی کہ:

ترجمہ:۔ ''تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم پر ایمان رکھنے والی قوم کو ایسا نہ پاؤ گے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے، بھائی یا خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنے فیضان غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔

(سورہ مجادلہ-22 رکوع 3)

ربیع الاول 4ھ میں سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے حضرت عبیدہؓ کو بنو ثعلبہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ذی القصہ کی طرف روانہ کیا۔ آپؓ کی ماتحتی میں چالیس سرفروش تھے جو عشق رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم سے سرشار تھے۔ بنو ثعلبہ وانمار اور محارب کی بستیاں بے آب وگیاہ ہو گئیں تو انہوں نے مدینہ کے مویشی لوٹ لینے کا فیصلہ کیا جو مدینہ سے سات میل دور بیضا کے مقام پر چرتے تھے۔

ابو عبیدہؓ بن جراح نبی صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں مغرب کی نماز کے بعد ذی القصہ کی طرف چل پڑے۔ راتوں رات ہی منزل مقصود پر پہنچ گئے اور علی الصبح بنو ثعلبہ پر حملہ کر دیا۔ وہ خوف اور ڈر سے بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اس مہم میں کچھ اونٹ اور دوسرا سامان جو ہاتھ لگا

اُسے لا کر بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دیا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز وثالث)

ایک مرتبہ یمن سے وفد آیا اور بارگاہ رسالت میں عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی تعلیم کے لئے کسی کو ہمارے ہمراہ کر دیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سماعت فرمایا تو حضرت ابوعبیدہؓ بن جراحؓ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا: ''ہر اُمت کا امین ہوتا ہے یہ امین الامت ہیں۔'' انہیں تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ کا اصلی نام عبد عمرو تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کا شرف حاصل ہے (عشرہ مبشرہ، جن دس لوگوں کو یعنی صحابہ کرامؓ کو نبی علیہ السلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مجلس میں جنت کی بشارت دی تھی۔ (مستدرک حاکم)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت تھی۔ آنکھ سے اوجھل ہو جاتے تو پریشان ہو جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے حضرت عبدالرحمٰن پیچھے پیچھے چلے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نخلستان میں پہنچ گئے اور سربسجود ہو گئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو خوف ہوا شائد روح اطہر خدا سے جا ملی، گھبرا کر قریب آئے۔ سراپا لطف و کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا: ''کیا ہے عبدالرحمٰن؟'' انہوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، ارشاد ہوا جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا، کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بشارت نہ دوں کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک بھیجے گا اور سلام بھیجے گا، میں اُس پر سلام بھیجوں گا۔ یہ طویل سجدہ، سجدہ تشکر تھا۔ (مسند احمد جلد 1)

حضرت عبدالرحمٰنؓ کا دامن فضل و کمال اور اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا، خصوصاً خوف خدا، حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سچائی و پاک دامنی اور راہ خدا میں مال خرچ کرنا، ان کے نہایت عمدہ واعلیٰ اوصاف تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''میرے بعد جو شخص میری ازواج مطہراتؓ کی نگرانی ومحافظت فرمائے گا وہ نہایت صادق اور نیکوکار ہوگا۔'' (اصابہ جلد 4 ص 177)

یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمٰنؓ سے متعلق تھا وہ سفر وحضر کے موقعوں پر ساتھ جاتے

تھے،سواری اور پردے کا انتظام کرتے تھے، جہاں پڑاؤ ہوتا تھا وہاں انتظام واہتمام کے ساتھ اتارتے تھے۔غرض اُنہیں صرف اپنی عصمت وعفت کے باعث اُمہات المومنینؓ کی خدمت وحفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جوان کا مخصوص طرہ امتیاز ہے۔

تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، غزوہ احد میں نہایت دلیری اور جانبازی کے ساتھ لڑے، یہاں تک بدن پر اکتیس (31) زخم آئے اور آگے کے دو دانت بھی شہید ہوئے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد بہت زیادہ خوش حالی حاصل ہوگئی تھی۔اس زمانے میں یہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عسرت وتنگدستی کو یاد کرکے رویا کرتے تھے۔ایک مرتبہ عمدہ کھانا دیکھ کر انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے وہ شہید ہوئے تو کفن نصیب نہ ہوا، صرف ایک چادر میں دفن ہوئے۔ یہ جان نثار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہوئے ہم سے بہتر تھے لیکن دنیا اب ہم پر کشادہ ہوگئی ہے۔ہمیں دنیا کی اس قدر نعمتیں عطا کی گئی ہیں۔ مجھے خوف ہے شائد ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں ہوگیا، اس کے بعد زاروقطار رونے لگے اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔(صحیح بخاری کتاب المغازی غزوہ اُحد)(اصابہ جلد 4)

نوفلؓ بن ایاسؓ سے روایت ہے کہ''ایک دن عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہمیں اپنے گھر لے گئے پھر خود اندر داخل ہوئے اور غسل کرکے باہر نکلے، اس کے بعد کھانا آیا، کھانے میں روٹی اور گوشت تھا۔ آپؓ اس کو دیکھ کر بے اختیار رونے لگے، میں نے پوچھا! اے ابومحمد یہ بے محل رونا کیسا؟'' بولے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تمام عمر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل وعیال کو پیٹ بھر کر جو کی روٹی میسر نہ ہوئی۔ہم دیکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دنیا ہمارے لئے بہت کشادہ ہوگئی ہے، بے پناہ نعمتیں ہمیں حاصل ہوگئی ہیں۔ اس لئے زیادہ دیر دنیا میں رہنا ہمارے لئے بہتر نہیں ہے۔''(اصابہ جلد 4)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے صحابہ کرامؓ کو صدقہ دینے کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے، دوسری مرتبہ چالیس ہزار اور تیسری مرتبہ پانچ سو

گھوڑے اور پانچ سو اونٹ پیش کر دیئے۔ بوقت وفات ایک ہزار گھوڑے اور پچاس ہزار دیناروں کا صدقہ کیا۔ جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کرامؓ کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت فرمائی۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دوسری ازواج مطہراتؓ کے لئے ایک باغ کی وصیت فرمائی جو چالیس ہزار درہم کی مالیت کا تھا۔

یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور والہانہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی جو دیوانگی کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ 32ھ میں کچھ دنوں بیمار رہ کر سخاوت وشجاعت کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ (عشرہ مبشرہ، واکمال وکنزل الاعمال جلد 15)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت طلحہؓ بن عبیدؓ اللہ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ عاشق صادق تھے۔عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ میں تجارتی مقصد سے بصریٰ (شام) گیا۔میرا گذر ایک گرجا کے پاس سے ہوا، میں نے سنا کہ ایک راہب اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ اس میلہ میں آنے والوں سے پوچھو، کیا کوئی ان میں اہل حرم میں سے ہے؟ میں نے کہا، ہاں میں حرم کا باشندہ ہوں اُس راہب نے کہا آج کل وہاں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظہور ہوگیا ہے، میں نے راہب سے پوچھا کون ''احمدؐ'' اُس نے کہا عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے، یہی ان کے ظہور کا مہینہ ہے۔وہ تمام انبیاء علیہ السلام کے بعد میں ہیں۔اُن کے ظاہر ہونے کی جگہ حرم ہے وہ اس جگہ ہجرت کریں گے، جہاں کھجور کے درخت، پتھر اور ریت ہوگی۔اُس کی بات میرے دل کو لگ گئی، اُسی وقت بصریٰ سے مکہ کی طرف چل دیا۔

مکہ پہنچ کر میں نے لوگوں سے پوچھا، کیا کوئی آدمی ظاہر ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا، ہاں! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ جو امین و صادق کے لقب سے مشہور ہیں انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ابوبکر صدیقؓ نے ان کا اتباع بھی کرلیا ہے۔میں اس بات کی تصدیق کے لئے ابوبکر صدیقؓ کے ہاں پہنچا تو انہوں نے اس بات کی تصدیق کی اور مجھ سے کہا جاؤ تم بھی اور اُن کا اتباع کرو، وہ حق و سچ کی دعوت دیتے ہیں، میں نے اُن سے بصریٰ کے راہب کا واقعہ بیان کیا تو وہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔

اسلام لانا ہی تھا کہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔کفار نے ان کے ہاتھ ان کی گردن میں باندھ دیئے اور گلے میں رسی ڈال کر کھینچتے ہوئے بازار میں لے گئے۔کفار حضرت طلحہؓ پر جتنی بھی زیادہ سختیاں کرتے تھے اتنا ہی اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کا جذبہ عشق و محبت بڑھتا چلا جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں حضرت طلحہؓ کی بہت قدر و منزلت تھی۔

اُحد کے معرکہ میں جب مسلمانوں کی صفوں میں انتشار برپا تھا اور کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد اپنا نرغہ کئے ہوئے تھے تو یہ بڑا نازک مرحلہ تھا مگر شیدائیان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اپنی جانوں کو بلا تکلف جنگ کی اس خطرناک آگ میں جھونک کر اس نازک وقت کو ٹال دیا۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تھے۔ کفار سب طرف سے تیروں کی بارش برسا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ حضرت ابوطلحہؓ بن عبید اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور اپنی ڈھال پر تیروں کو روک رہے تھے، تیروں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کا راستہ نہیں دیا۔ وہ خود بڑے مقتدر تیر انداز تھے۔ انہوں نے خود اتنے تیر برسائے کہ کئی کمانیں ٹوٹ گئیں۔ ایک مرتبہ اچانک ڈھال آپؓ کے ہاتھ سے گر جاتی ہے تو تیروں کو ہاتھ پر روکنا شروع کر دیا اور اس خیال سے ڈھال تلاش نہ کی کہ کہیں اس دوران کوئی تیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا دے وہ اپنے ہاتھوں پر اس وقت تک تیر روکتے رہے جب تک ان کا ہاتھ شل نہ ہو گیا۔ اس عاشق صادقؓ کا ہاتھ ہمیشہ کے لئے شل ہو گیا۔

ایک مرتبہ کسی مشرک نے آگے بڑھ کر تلوار ماری تو آپؓ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ آپؓ نے کہا ''حسن یعنی خوب ہوا۔ حضرت طلحہؓ کا یہ ہاتھ سوکھ کر ہمیشہ کے لئے بے کار ہو گیا تھا وہ اپنے اس ہاتھ پر بہت فخر کیا کرتے تھے کہ میدان احد میں اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی تھی اور جوش میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

''یعنی میری جان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان اور میرا چہرہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بنے۔'' اُحد کی جنگ میں طلحہؓ نے خاص طور پر دادِ شجاعت دی اور خطرے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچانے کے لئے سینہ سپر رہے۔ دو انگلیوں کی نسیں کٹ گئیں لیکن شمع نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے کے دل میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگزیں تھا۔ ہر وقت اپنی جان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔

حضرت طلحہؓ نے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے اپنی ڈھال کر دی، کفار کی جانب اپنا سینہ، اس طرح دو طرف سے آڑ کر لی۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی جمعیت کو دیکھنے کے لئے ڈھال کے پیچھے سے ذرا گردن اٹھانی چاہی تو حضرت ابوطلحہؓ نے جن الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روکا اس سے زیادہ جوش اور محبت کی تفسیر وانتہا اور کوئی دوسری نہیں ہو سکتی، انہوں نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردن اُٹھا کر نہ دیکھئے، کہیں کوئی تیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لگ جائے، میرا گلا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہے۔'' (صحیح بخاری، غزوہ اُحد کتاب المغازی)

انصارِ مدینہ یوں تو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت وحمایت کے لئے تیار رہتے تھے لیکن میدان اُحد میں انہوں نے بحیثیت قوم جو کارنامے انجام دیئے وہ بڑے بے مثال تھے۔ یہ وہ موقع تھا جب حُبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشق مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جان دینے سے کم کسی چیز کی گنتی نہیں تھی۔ انصار نے بے دریغ جانیں بھی پیش کر دیں اور خوشی خوشی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قربان ہو گئے۔

جنگ اُحد میں حضرت طلحہؓ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے زخموں سے چور ہو گئے تھے۔ ان کے جسم پر ستاون (57) زخم لگ چکے تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے جسم پر ستر (70) سے زائد زخم شمار کئے تھے۔ اس جانبازی کے صلے میں دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''خیر'' کا لقب عطا ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اُن کی زندگی کا مقصد تھا۔ ہاتھ تیر لگتے لگتے لٹک گیا تھا۔ مگر جوش ووارفتگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ مشرکین کے سخت حملہ نے جب مسلمانوں کو منتشر کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب صرف دو قریشی حضرت طلحہؓ اور سعدؓ اور سات انصار رہ گئے تو کفار نے بھاری تعداد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ کفار نے اچانک نرغے میں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت زخمی کر دیا، کسی نامراد نے دور سے پتھر پھینک کر مارا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک دانت شہید ہو گیا۔ لعنتی لعین ابن قمیہ نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک میں خود کی کڑیاں دھنس گئیں اور خون کی دھار پھوٹ نکلی۔ ابو عامر نے گہرے گڑھے کھدوا کر ان کو ڈھانپ دیا تھا۔ ایک گڑھے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاؤں پڑ گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس میں گر گئے۔ طلحہؓ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا تو بے تاب ہو گئے، فوراً گڑھے میں کود پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت میں ہاتھ ڈال کر اوپر اٹھایا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر نکال لائے۔ (مشکوٰۃ)

(طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص 155)

جامع ترمذی میں ہے کہ طلحہؓ کے لگا تار حملوں نے کف کفار کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ مقام پر پہنچانے کا مسئلہ تھا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کی مرہم پٹی ہو سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کی زد سے باہر ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرق کی جانب مسلمانوں کے لشکر کے عقب میں اونچی پہاڑی پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخم شدید تھے اور دہری زرّہ پہنے ہوئے تھے اس لئے چڑھا نہ جاتا تھا۔

حضرت طلحہؓ نے اس کیفیت کو دیکھا تو دوڑ کر پاس آ گئے اپنے 75,70 زخموں اور لٹکتے ہوئے ہاتھ کی پرواکئے بغیر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری پشت پر سوار ہو جائیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر پہاڑی پر چڑھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پشت پر سوار کر لیا، اُٹھے اور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عاشق صادق کی اس قربانی سے بے پناہ متاثر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''طلحہؓ تمہیں جنت کی بشارت ہے۔'' (طبقات ابن سعد (مشکوٰۃ ص566) اور یہ بھی فرمایا: ''طلحہؓ زمین پر چلتا پھرتا شہید ہے۔'' (کنزالاعمال جلد12)

طلحہؓ اس اتنے بڑے انعام کی بشارت سن کر پھولے نہ سمائے۔ غزوہ اُحد کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''طلحہؓ اُن لوگوں میں سے ہے جنہوں نے پورا پورا اپنا حق ادا کر دیا۔'' یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یونہی نہیں فرمائی تھی، کہا جاتا ہے، اُحد کے روز حضرت طلحہؓ نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بنا رکھا تھا۔ لعین قمیہ کی تلواروں کے واروں کو اپنے ہاتھوں پر روکتے رہے۔ حضرت طلحہؓ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت والفت کا یہ عالم تھا کہ ایک کافر نے آپؐ پر تلوار کے دو وار کئے جو آپؐ کے سر پر لگے اور حضرت طلحہؓ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جلدی سے آگے بڑھ کر حضرت طلحہؓ کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور ان کو ہوش میں لائے۔ ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے دریافت کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت سے ہیں۔'' حضرت طلحہؓ نے کہا، ''الحمد

للہ‘‘۔اب اس کے بعد جو مصیبت آئے آسان ہے۔ یہ عشق نہیں تو کیا ہے؟

(بخاری کتاب المغازی غزوہ احد)

غزوہ اُحد سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسانؓ بن ثابت سے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور شاعر ہیں فرمایا کہ طلحہؓ کے بارے میں کچھ کہو، حضرت حسانؓ نے فی البدیع یہ چھ اشعار پڑھے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے۔

’’اور طلحہؓ نے گھاٹی والے دن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسے وقت میں حفاظت کی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تنگ اور دشوار ہو گیا تھا، اپنی ہتھیلیوں کے ذریعے نیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچاتے تھے۔ اپنی انگلیاں تلواروں کے نیچے دے دیں جو شل ہو گئیں۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا سب کے پیش رو تھے۔ انہوں نے اسلام کی چکی کو قائم کیا، یہاں تک وہ قائم ہو گئی۔‘‘ (فتح الباری جلد 7، بخاری کتاب المغازی غزوہ اُحد)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: طلحہؓ بن عبید اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی جبکہ سوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کر رہے تھے، نیزوں پر انہوں نے صبر کیا، ایسے وقت میں جبکہ لوگوں کی حفاظت کرنے والے پیٹھ پھیر لیتے تھے۔ ۃ

حضرت عمرؓ نے فرمایا: طلحہؓ بن عبید اللہ نے اپنی سونتی ہوئی تلوار کے ذریعے ہدایت دینے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس وقت حفاظت کی جب لوگ منتشر ہو گئے تھے۔

’’رسول دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عمرؓ! تم نے سچ کہا۔‘‘

جن شیدائیوں نے خود کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر اس طرح نثار کرنے کا فیصلہ کیا ان کے مقدر پر رشک کرتے ہوئے مولانا ابوالکلامؒ نے ان الفاظ میں ان کو دادِ تحسین پیش کی ہے۔ ’’پس کیا مبارک ہیں وہ دل جنہوں نے اپنے عشق اور شیفتگی کے لئے رب السموٰت والارض کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چنا اور کیا پاک ومطہر ہیں وہ زبانیں جو سید المرسلین ورحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا میں زمزمہ سنج ہیں۔‘‘ (طبقات ابن سعد، قسم اول جز ثالث)

’’ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب‘‘

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعیدؓ بن زیدؓ

حضرت محمد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت کے بعد یونہی دعوت اسلام کا آغاز فرمایا، لپک کر آگے بڑھے اور بعض روایات کے مطابق چھبیس (26) آدمیوں کے بعد اسلام لائے اور دین حنیف کے حلقہ بگوش بن گئے۔ان سے پہلے گنتی کے لوگ سعادت اندوز اسلام ہوئے تھے۔

حضرت سعیدؓ کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت خطاب جو عمر فاروقؓ کی ہمشیرہ تھیں وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوگئیں، یوں میاں بیوی دونوں اُن پاک باز بندوں میں شامل ہوگئے جنہیں حق تعالیٰ نے سابقون الاولون کا خطاب دیا۔

حضرت سعیدؓ بن زید کا شمار ان دس عظیم المرتبت صحابہ کرام میں ہوتا ہے جن کو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر نام لے کر جنت کی بشارت دی تھی۔ یہ اصحابؓ عشرہ مبشرہ کے عظیم الشان لقب سے مشہور ہیں۔

مشہور تابعی حضرت سعیدؓ بن مسیّبؒ سے روایت ہے کہ سعیدؓ بن زید ان صحابہ کرامؓ میں سے تھے جو صف قتال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے اور صف نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے رہا کرتے تھے۔اپنے زہد و تقویٰ کی بدولت اور کثرت عبادت کی وجہ سے حضرت سعیدؓ کو ''مستجاب الدعوات'' کا درجہ حاصل ہوگیا تھا۔

بت پرستی اور رسوم جاہلیت کی اعلانیہ مذمت کرنا اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی طرف بلانا ایسا کام نہ تھا کہ قریش اسے برداشت کر لیتے وہ زیدؓ کے سخت دشمن ہوگئے۔حق و سچ کے نام لیواؤں کے لئے یہ سخت ابتلا کا دور تھا۔مشرکین قریش اہل حق پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں شرافت و انسانیت کی حدیں پھلانگ گئے تھے۔ان کے چچا خطاب اسلام دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے۔انہوں نے زیدؓ کو اتنا ستایا کہ وہ تنگ آ کر مکہ سے نکل گئے۔تاہم کبھی چھپ چھپ کر کعبہ کی زیارت کے لئے مکہ آ جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام تاریخ کا نہایت ہی اہم واقعہ ہے۔فاروق اعظمؓ کو حق کا حلقہ بگوش

بنانے میں حضرت سعیدؓ بن زید اور اُن کی بیوی فاطمہؓ بنت خطاب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ ان کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت وشیفتگی، اسلام پر استقامت اور اخلاص ہی کا نتیجہ تھا کہ بنوعدی کے مردِ آہن کا دل بھی پگھل گیا اور وہ آناً فاناً دشمنانِ حق کی صف سے نکل کر جاں نثاران اسلام کی صف میں آ گئے۔ (سیر الصحابہؓ، سیر المہاجرین حصہ دوم ص 118)

''اُنؓ کے استقلال اور دین سے محبت نے عمرؓ بن خطاب کو عمر سے ''فاروق اعظم'' بنا دیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ سعیدؓ بن زید کا دامن عمل کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہیں ہوا، وہ ہمیشہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوشاں رہتے تھے۔

تمام غزوات میں بھی سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے، اُحد، خندق، خیبر، حنین، طائف ہر معرکے میں انہوں نے کمال درجے کی سرفروشی اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔

غزوہ تبوک میں طویل سفر کی سختیاں، محبت وعشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہنسی خوشی برداشت کیں۔ غرض قبول اسلام کے بعد کوئی شرف ایسا نہ تھا جو انہیں حاصل نہ ہوا ہو۔

حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شوق جہاد، زہد وتقویٰ، ایثار واخلاص اور خشیت الٰہی حضرت سعیدؓ بن زید کے چمن اخلاق کے سب سے خوشنما اور خوش رنگ پھول تھے۔

حضرت ابوایوبؓ انصاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے لئے روانہ ہونے کی خبر اہل مدینہ کو ملی تو خوشی سے پھول نہ سمائے۔حضرت ابوایوبؓ انصاری اور دیگر انصار روزانہ مدینہ سے تین چار میل باہر ہر صبح آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی آمد کا انتظار کرتے اور دو پہر ہونے پر نا امید ہو کر لوٹتے ،سب لوگوں کو یہ اشتیاق تھا کہ کاش سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم اس کو میزبانی کا شرف عطا فرمائیں۔

رکی یکبارگی فاقہ بحکم حضرت باری
جہاں اک سمت بستے تھے ابو ایوب انصاری

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوبؓ انصاری کو میزبانی رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کا وہ عظیم شرف حاصل ہوا کہ جس پر دوسرے صحابہ کرامؓ ہمیشہ رشک کیا کرتے تھے۔حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان کا ایک کمرہ نیچے اور ایک اوپر تھا۔انہوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم میں عرض کی''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم غریب خانہ کی بالائی منزل پر قیام فرمائیں۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے فرمایا: نہیں میرے پاس لوگوں کی آمدورفت رہے گی اس لئے نچلی منزل ہی میرے قیام کے لئے موزوں ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی خواہش کے مطابق حضرت ایوبؓ نے مکان کی زیریں منزل خالی کردی اور خود بالا خانے میں فروکش ہو گئے لیکن ان کو اور انکی اہلیہ کو ہر وقت ہی خیال مضطرب رکھتا تھا کہ بالائی منزل میں مقیم ہیں اور مہبط وحی ورسالت صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نچلی منزل میں ہیں۔(صحیح مسلم جلد 2۔سیر الصحابہؓ حصہ چہارم)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم چھ یا سات مہینے ابوایوبؓ انصاری کے ہاں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں حضرت ابوایوبؓ نے جس والہانہ عقیدت ومحبت سے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی خدمت کی وہ ان کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم پر دال ہے۔حضرت ابوایوبؓ ہر وقت آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دل وجان سے مصروف رہتے۔

حضرت ابوایوبؓ دونوں وقت ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کھانا پہنچاتے، بعض اوقات دوسرے صحابہ کرامؓ کے ہاں سے بھی کھانا آجاتا تھا۔ کھانے کے بعد جو بچ جاتا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ایوبؓ کے پاس بھیج دیتے، ان کی عقیدت کیشی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ بچا ہوا کھانا تبرک کے طور پر وہ، ان کی اہلیہؓ کھاتے تھے۔ کھانے میں جہاں سرور کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے بہ خیال اتباع وتبرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی پر اپنی انگلیاں رکھ کر کھانا تناول فرماتے تھے، حضرت ابوایوبؓ نہ صرف ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق صادق تھے بلکہ وہ خاندان نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبھی افراد سے بہت محبت کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بالاخانہ پر پانی سے بھرا ہوا برتن ٹوٹ گیا اور تمام پانی پھیلنے لگا حضرت ابوایوبؓ اس خیال سے مضطرب وبے چین ہوگئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوگی، گھر میں اوڑھنے کا ایک ہی لحاف تھا۔ حضرت ابوایوبؓ نے فوراً گھسیٹ کر پانی پر ڈال دیا اور یہ سب پانی اپنے لحاف میں جذب کر ڈالا۔ جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو دونوں میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا اور تمام رات سردی میں ٹھٹھر کر گزاری مگر اپنے محبوب مہمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف کے خوف سے پانی کو پھیلنے نہ دیا۔ (زرقانی واصابہ، ذکر ابوایوبؓ) سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ اپنی مرضی سے زیریں منزل میں مقیم تھے لیکن حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہؓ کو بالاخانہ کی سکونت سخت ناپسند تھی اور روحانی اذیت کا باعث بھی۔ یہ روحانی اذیت ایک دن اتنی شدت اختیار کر گئی کہ دونوں میاں بیوی چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئے اور رات اسی حالت میں گزار دی جاگ کر، صبح ہوئی تو حضرت ابوایوبؓ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجہ دریافت کی تو عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہم کہ ہر لمحہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی کا اندیشہ دامن گیر رہتا ہے رات کو اس اندیشہ نے شدت اختیار کرلی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم غلاموں پر رحم فرمایئے اور بالاخانہ

پر تشریف لے چلئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں رہنا ہی باعث سعادت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر کی منزل میں منتقل ہو گئے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا کھائے بغیر واپس لوٹا دیا۔ حضرت ابوایوبؓ بہت بے چین ہوئے فوراً بے تاب و بے چین ہو کر خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''یارسول اللہ! آخر ایسی کیا غلطی ہوگئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا تناول نہیں فرمایا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجہ بتائی، آج کھانے میں لہسن کی بو آرہی تھی میں لہسن پسند نہیں کرتا ورنہ اور کوئی وجہ نہیں ہے۔

ابوایوبؓ نے عرض کی ''انی اکرہ ماتکرہ'' یعنی جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو میں بھی پسند نہیں کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بقیہ زندگی میں کبھی لہسن اپنے گھر میں داخل ہونے نہ دیا اور نہ چکھا۔ (صحیح مسلم جلد 2)

حضرت ابوایوبؓ کو اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک چیز اور ایک ایک ادا سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد احادیث جاننے اور جمع کرنے کا بے پناہ شوق ہو گیا تھا، ہر وقت یہ تڑپ رہتی تھی کہ کہیں سے کوئی حدیث ملے تو اس سنت پر بھی عمل کیا جائے جو اس حدیث میں حکم کیا گیا ہو۔ احادیث کی روایت سننے کے لئے دور دراز کے سفر کرتے تھے۔ اس ذوق وشوق کے نتیجے میں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی تعداد میں انہیں حفظ ہو گئی تھیں، بعد کے لوگ ان سے رجوع کر کے پیچیدہ مسائل کو حل کرتے تھے یہ بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات لوگوں تک پہنچانا فرض عین سمجھتے تھے۔ طلب علم اور نشر معارف کی انتہا یہ ہے کہ مرتے وقت بھی ان کی زبان اشاعت حدیث کا مقدس فرض ادا کرنے میں لگی تھی۔

حضرت ابوایوبؓ خلاف سنت کوئی بات دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے اور صدائے حق ادا کرنے سے کبھی باز نہ آتے تھے۔ حضرت ابوایوبؓ کی حق گوئی کی یہ شان تھی کہ ایک دفعہ مصر کے گورنر حضرت عقبہ بن عامر جہنی نے فرمایا: یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بھی مت بھولو کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہو، تمہارا قول وفعل لوگوں کے لئے حجت بن سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی

نماز میں عجلت کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر تم نماز میں دیر کرو گے تو لوگ خیال کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نماز اسی وقت ادا کرتے ہوں گے۔ یاد رکھو! کسی صحابیؓ کا کوئی فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ (مسند احمد جلد 5)

ہجرت کے فوراً بعد مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں نے فرزندان توحید کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کردیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی ریشہ دوانیوں کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ رات کو ہتھیار باندھ کر سویا کریں اور کچھ لوگ جاگ کر پہرہ دیا کریں تاکہ قریش مکہ اور دوسرے دشمنوں کے ناگہانی حملے کا تدارک کیا جاسکے۔ (مسند احمد)

ایک موقعہ پر حضرت ابوایوبؓ انصاری نے کاشانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رات بھر پہرہ دیا، صبح ہوئی تو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ ''اے ابوایوبؓ خدا تمہیں اپنی حفظ وامان میں رکھے کہ تم نے اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگہبانی کی۔'' یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہی کا اثر تھا کہ حضرت ابوایوبؓ زندگی بھر مصائب وآلام سے محفوظ رہے اور وفات کے بعد بھی صدیوں تک نصاریٰ ان کی قبر کی حفاظت ونگرانی کرتے رہے حتیٰ کہ ان کا مدفن یعنی قسطنطنیہ ہی مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا آج بھی ترکی حکومت ان کی قبر کی نگران ہے اور وہاں عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔ (ابن سعد جلد 3)

صحیح بخاری میں نبی پاک شہنشاہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک میں ہے (ترجمہ) ''یعنی میری اُمت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی ان کے لئے مغفرت ہے۔''

حضرت ابوایوبؓ کو اس بشارت کے پورا ہونے کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے کہ: ''اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ آئے جب تک میں تیرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کے مطابق اس مبشرہ لشکر میں شامل نہ ہو جاؤں جو قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا۔''

حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت میں 53ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ حضرت ابوایوبؓ انصاری کو تو شدت سے اس دن کا انتظار تھا، خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے کہ

اب وہ دن آنے والا ہے جب وہ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کے مطابق مغفور جماعت میں شامل ہو کر قسطنطنیہ (استنبول) پر حملہ آور ہوں گے۔

بڑے بڑے صحابہ کرامؓ اپنے اپنے دستے لے کر اس جہاد کے ہمرکاب ہوئے اور اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔

رومی فوج بڑے ساز وسامان کے ساتھ مقابلہ پر آئی۔ حضرت ابوایوبؓ کی عمر اس وقت اسی (80) سال تھی مگر تلوار لے کر نوجوانوں کی طرح میدان میں نکلتے اور مقابلہ کرتے تھے۔ اسی جہاد کے دوران ایک وبا پھیلی اور حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی بیمار پڑ گئے، جب آخری وقت قریب آیا تو امیر لشکر یزید کو بلا کر نصیحت کی:

''تم دشمن کی زمین پر یہاں تک جا سکو میرا جنازہ لے جا کر دفن کرنا، میرا اسلام اور حدیث مسلمانوں کو سنانا جو میں نے اپنی جان سے زیادہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی ہے ''یعنی جو شخص اس حالت میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرتا تھا اللہ تعالیٰ اسے جنت نصیب کرے گا۔'' پھر اس عاشق صادقؓ نے انتقال فرمایا:

یزید نے کل لشکر اور تمام بڑے صحابہ کرامؓ کو ساتھ لے کر نماز جنازہ پڑھائی اور قسطنطنیہ کی فصیل کے ٹھیک نیچے دفن کیا گیا۔ جہاں آج آپؓ کا مدفن موجود ہے اور مرجع خلائق عام ہے۔

صورت خاک حرم یہ سرزمین بھی پاک ہے آستان مسند آرائے شہ لولاک ہے
نکہت گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا تربت ایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا

اے مسلماں ملت اسلام کا دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کے کشت وخوں کا حال ہے یہ شہر

(صحیح بخاری کتاب الجہاد، اسد الغابہ، طبقات ابن سعد جلد 3)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت بلالؓ بن رباح

(بلال حبشی موذن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت ابوعبداللہ بلالؓ بن رباح کا شمار دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن عظیم المرتبت اراکین میں ہوتا ہے کہ جن کا اسم گرامی سن کر ہر مسلمان کی گردن فرطِ احترام وعقیدت سے جھک جاتی ہے (طبرانی) حضرت بلالؓ بن رباح عاشقین صادقین کے سرخیل ہیں۔ حضرت بلالؓ حبشی دنیائے کائنات کی وہ پہلی عظیم ومقدس ہستی ہیں جنہیں دنیا کے پہلے موذن ہونے کا اعلیٰ شرف حاصل ہوا۔ خیرالبشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جان نثار)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''بلالؓ کس قدر اچھا آدمی ہے وہ تمام موذنوں کا سردار ہے۔ (بخاری باب بداء الاذان)

حضرت بلالؓ کے والد رباح اور والدہ حمامہ عرب کے ایک قبیلہ کے غلام تھے گویا غلامی بلالؓ کو ورثہ میں ملی تھی۔ یہ سرزمین عرب کا وہ تاریک دور تھا جب انسان اخلاقی پستیوں کی گہرائیوں میں گرا ہوا تھا اس پر گمراہی مسلط تھی۔ اس دور جہالت میں سب سے مظلوم طبقہ غلاموں کا تھا جسے بنیادی حقوق ملنا تو بہت دور کی بات سکون سے زندگی گزارنے کا حق بھی نہ تھا۔

حضرت بلالؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ اس کی غلامی میں حضرت بلالؓ نے اٹھائیس (28) سال گزارے وہ بکریاں چرانے پہاڑوں پر جایا کرتے تھے۔ ایک دن آپؐ کا گزر غار حرا کی طرف ہوا، جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تشریف فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حبشی غلام کو پاس بلا کر فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، تمہاری اسلام کے متعلق کیا رائے ہے۔ حضرت بلالؓ نہایت نیک نفس اور پاک باز تھے اور غالباً بعثت سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ سے متاثر ہو چکے تھے چنانچہ صدائے توحید سنتے ہی انہوں نے اس پر لبیک کہا، بلا تامل اسلام قبول کر لیا اور اپنا دل وجان رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار کر بیٹھے۔ اس سیاہ فام حبشی کا قلب ایمان کے نور سے منور ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی بجلی نے

ان کے خرمن باطل پر گرا کر ایمان کی شاعوں سے ان کے سینے کو بھر دیا۔

ارباب سیر کا بیان ہے کہ یہ ان سات سعید الفطرت ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اس طرح حضرت بلالؓ کو سابقون الاولون کی مقبول الٰہی جماعت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہوگیا یہ اسلام کا اوّلین دور تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الحال راز داری سے اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے لیکن اسلام کا منفرد اور پاکیزہ رنگ زیادہ عرصے تک کفار مکہ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ انہوں نے جلدی محسوس کرلیا کہ ان کے بعض ساتھیوں خاص طور پر غلام اور خواتین میں ایک تبدیلی آ گئی ہے۔ امیہ بن خلف کو جب حضرت بلالؓ کے اسلام قبول کرنے کی بھنک پڑی تو وہ آگ بگولا ہوگیا۔ اس جرم کی پاداش میں اس نے حضرت بلالؓ پر ظلم وستم کے پہاڑ گرانے شروع کر دیئے، کہنے لگا سیدھی طرح راہ راست پر آ جاؤ، ورنہ ذلت کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ حضرت بلالؓ صہبائے توحید کے نشہ میں مست ہو چکے تھے۔ نتائج وعواقب سے بے پرواہ ہوکر جواب دیا۔ ''میرے جسم پر تمہارا زور چل سکتا ہے لیکن میں اپنا دل اور جان محمد اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہن رکھ چکا ہوں، تمہارے خود ساختہ خداؤں کو پوجنا اب میرے بس میں نہیں۔''

اُمیہ بن خلف مشرک غیظ وغضب سے دیوانہ ہوگیا۔ ایک بے غلام یوں اُس کے منہ آئے؟ اس نے کڑک کر کہا: ''اچھا تو پھر اپنی بے دینی کا مزہ چکھ، دیکھوں گا محمدؐ اور اس کا خدا تمہیں کیسے چھڑاتے ہیں۔'' اور اس طرح ایک غلام اور سیاہ وسفید کے مالکوں کے درمیان ایک کشمکش کا آغاز ہوا، جس کی مثال شائد ہی کہیں ملتی ہو یا دیکھی گئی ہو، اس ظالم نے حضرت بلالؓ پر جور وستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔

مکہ میں حرہ کی زمین گرمی کے سبب سے مشہور ہے جو دھوپ میں تانبے کی طرح گرم ہو جاتی تھی۔ اُمیہ دوپہر کے وقت حضرت بلالؓ کو گھر سے نکال کر لے جاتا اور حرہ کی جلتی ہوئی زمین پر لٹا کر ایک بھاری پتھر سینے پر رکھتا تا کہ جنبش نہ کرسکیں۔ پھر کہتا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی سے باز آ جا اور لات وعزیٰ کے معبود برحق ہونے کا اقرار کرلے ورنہ اسی طرح پڑا رہے گا۔ اس کے جواب میں شیدائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے احد، احد کی آواز کے سوا کچھ نہ نکلتا۔ آپؓ عاشق حبیب خدا تھے۔ اُمیہ غضبناک ہوکر پھر زدوکوب شروع کر دیتا۔ ایک دن تو اس ظالم نے شقاوت

کی حد کر دی، پورا دن اور پوری رات بھوکا پیاسا رکھا اور تپتی ہوئی ریت پر ان کے رقص بسمل کا تماشا دیکھتا رہا۔ (خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار ص 46)

مشہور صحابی عمروؓ بن عاص سے روایت ہے کہ میں نے بلالؓ کو اس حالت میں دیکھا کہ امیہ نے ان کو تپتی ریت پر لٹا رکھا ہے کہ جس پر گوشت رکھا جاتا تو وہ بھی جل جاتا یا گل جاتا مگر وہ اس حالت میں بھی احد، احد پکار رہے تھے۔ اُمیہ نے دیکھا اتنی سختیوں کے باوجود اس کی جبین ہمت پر شکن تک نہیں پڑی تو اس کی آتش غضب اور بھڑک اٹھتی۔ اس نے حضرت بلالؓ کو مردہ جانوروں کی کھال میں لپیٹ کر سی دیا اور پھر دن بھر دھوپ میں ڈالے رکھتا، یہ ستم عرصہ دراز تک جاری رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی محبت و وابستگی میں حضرت بلالؓ نے اپنی جان کی بھی پروانہ کی۔ (اسد الغابہ جلد 1)

حضرت علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ اُمیہ نے اس پر بھی بس نہ کی، حضرت بلالؓ کے گلے میں رسّی باندھ کر مکہ کے اوباش و شریر لڑکوں کے حوالے کر دیا، وہ لڑکے مکہ کی وادی میں آپؓ کو گھسیٹتے پھرتے اور تپتی ہوئی ریت پر اوندھے منہ لٹاتے اور آپؓ پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے تھے لیکن توحید کی زبان سے احد، احد کے سوا کچھ نہ نکلتا۔ اُمیہ اپنے دوسرے غلاموں اور لونڈوں کو بھڑکاتا، تاکہ بتوں کے اس باغی کو اتنی تکلیفیں اور اذیتیں دو کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کے خدا کا نام چھوڑ دے، یہ بد بخت امیہ کو خوش کرنے کے لیے حضرت بلالؓ کو بہت بری طرح مارتے پیٹتے تھے اور زخمی کرتے تھے۔ اُمیہ خلف کا ہر شخص کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں اپنا زور ختم کر دے۔ حضرت بلالؓ تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہو جاتے۔ جب ہوش آتا پھر اُمیہ خلف کہتا محمد اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا کا انکار کر دو تو کوئی تکلیف باقی نہ رہے گی۔ عاشق صادق اس آزمائش میں بھی احد، احد پکارتے رہتے۔ یہ ظالم و جابر، شقی القلب اُمیہ دن کے وقت ان کے کپڑے اتروا کر لوہے کی زرّہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتا، شام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی میں پھینک دیتا اور رات کو بھی تازیانے رسید کرتا رہتا، کبھی دہکتے انگاروں پر لٹا کر سزا دی جاتی۔ آپؓ کے بدن کی چربی پگھل پگھل کر انگاروں پر گرتی جس سے وہ انگارے بجھ جاتے۔

حضرت بلالؓ کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو شدید زخمی نہ ہو چکا ہو، رات کو زنجیروں میں باندھ دیا جاتا اور کوڑے مارے جاتے اور اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زخمی کیا جاتا لیکن

کوئی بھی اذیت وسختی اور ظلم حضرت بلالؓ کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قصر ایمان کے کنگوروں کو ذرہ برابر جنبش نہ دے سکی۔

غرض حضرت بلالؓ مدت مدید تک ایسے ایسے زہر گداز مظالم کی چکی میں پستے رہے کہ ان کا حال پڑھ کر جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے لیکن ان کی قوت ایمان اور عشق رسولؐ کا یہ حال تھا کہ......

بڑھتا تھا اور شوق ''گنہ'' ہر سزا کے بعد

حضرت ابوبکر صدیقؓ آتے جاتے حضرت بلالؓ کو نت نئے مظالم وشدائد کا نشانہ بنتے دیکھتے تھے تو بے قرار و بے تاب ہو جاتے تھے ایک دن ان کے صبر کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا تو وہ اُمیہ کے پاس گئے اور اُس سے کہا اے اُمیہ! اس بے گناہ اور بے کس غلام پر اتنا ظلم نہ کرو، تمہارا اس میں کیا نقصان ہے کہ وہ خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے اگر تم اس پر احسان کرے تو یہ احسان آخرت کے دن کام آئے گا۔'' اُمیہ نے نہایت حقارت سے جواب دیا: ''میں تمہارے خیالی یوم آخرت کا قائل نہیں، جو میرے جی میں آئے گا کروں گا۔'' حضرت ابوبکر صدیقؓ اُس کے جواب سے دلبرداشتہ نہ ہوئے بلکہ بڑی نرمی سے سمجھایا کہ تم صاحب قوت وطاقت ہو، اس طرح عربوں کی قومی روایات کو بٹہ نہ لگاؤ۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گفتگو سے تنگ آ کر اُمیہ نے کہا: ''ابن ابی قحافہ تم اس غلام کے اتنے ہمدرد ہو تو اسے خرید کیوں نہیں لیتے؟'' حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جھٹ فرمایا: ''بولو کیا لو گے؟'' اُمیہ نے کہا ''تم اپنا رومی غلام فسطاس مجھے دے دو اور اسے لے جاؤ۔'' فسطاس بڑا کارگزار محنتی غلام تھا اہل مکہ کے نزدیک اس کی بہت زیادہ قیمت تھی۔ اُمیہ کا خیال تھا ابوبکرؓ اس کو دینے پر کبھی رضامند نہ ہوں گے، لیکن حضرت ابوبکرؓ فوراً بولے، ''مجھے منظور ہے'' اُمیہ حیران رہ گیا اور ڈھٹائی سے بولا فسطاس کے ساتھ چالیس اُوقیہ چاندی بھی لوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس پر بھی رضامند ہو گئے۔

اُمیہ نے بزعم خود بڑے نفع کا سودا کیا۔ جب صدیق اکبرؓ بلالؓ کو ساتھ لے کر چلنے لگے تو کہنے لگا: ''ابن ابی قحافہ! تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس غلام کو درہم کے چھٹے حصے کے عوض بھی نہ خریدتا۔'' حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا: اُمیہ تو اس غلام کی قدر و قیمت سے واقف نہیں، مجھ سے پوچھو تو یمن کی بادشاہی بھی اس غلام کی قیمت میں ہیچ ہے، یہ کہہ کر بلالؓ کو آزاد کر دیا اور ساتھ لے کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے، سارا واقعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تو بہت زیادہ

خوش ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

مشرکین کے پنجہ ستم سے تو رہائی پالی، کافر کی قید سے تو رہا ہو گئے لیکن اصل میں تو گرفتار اب ہوئے۔ یہ گرفتاری ایسی تھی جس میں ہر راحت و آرام تھا۔

حضرت بلالؓ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس منزل پر پہنچا ہوا تھا کہ ہر لمحہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے رہتے تھے۔ مشرکین سے رہائی پانے کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنے آپ کو ہمہ تن رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وقف کر دیا تھا۔ حد تو یہ تھی نماز پڑھنے میں بھی آپؓ کی نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے نہ ہٹتی تھی بلکہ بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اُٹھتی رہتی تھی۔

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری   کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

(اسد الغابہ، طبقات ابن سعد)

ہجرت کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر ہوئی اور اذان کی ابتدا ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دینے کی خدمت حضرت بلالؓ کے سپرد فرمائی۔

ابن سعد نے قاسم بن عبدالرحمٰنؒ سے روایت کی ہے کہ ''بلالؓ اسلام کے سب سے پہلے موذن ہیں۔'' حضرت بلالؓ کی آواز نہایت دلکش اور بلند تھی۔ حسن صوت کے ساتھ اس میں ایسی تاثیر تھی کہ جو سنتا سب کام چھوڑ چھاڑ کر والہانہ نماز کے لئے مسجد کی طرف لپکتا تھا۔ ان کی آواز میں ایسی خوش الحانی اور جادو تھا جو سنتا بے قرار ہو جاتا۔ تمام مسلمان شدت سے منتظر رہتے کہ کب نماز کا وقت ہو اور اذان بلالیؓ کانوں تک پہنچے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت بلالؓ کی آواز بہت پسند تھی۔ حضرت بلالؓ کو خادم خاص اور بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خازن (خزانچی) ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ سفر و حضر میں حضرت بلالؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ ہر موقع پر موذن خاص تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ پیار و احترام سے حضرت بلالؓ کو ''یا سیدی'' کہہ کر محبت کا اظہار کرتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد حضرت بلالؓ زہد و فقر میں ہمیشہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاقہ ہوتا تو وہ بھی فاقہ سے ہوتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو کوئی رنج پہنچتا تو بلالؓ بھی سخت رنجیدہ اور دکھی ہو جاتے تھے۔

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو نہیں ستایا گیا، اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو نہیں ڈرایا گیا۔ ایک دفعہ تیس دن مجھ پر اس طرح گزرے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی ایسی کوئی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس کے جو بلالؓ نے اپنی بغل کے نیچے چھپا رکھا تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا: ''اے بلالؓ! تم مجھے اپنا کوئی ایسا عمل بتاؤ جس پر سب سے زیادہ اجر و ثواب کی اُمید ہو، کیونکہ جنت میں، میں نے اپنے آگے تمہارے قدموں کی چاپ سنی ہے۔'' عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ایسا عمل تو کوئی نہیں کیا البتہ رات دن میں میرا کوئی وضو ایسا نہیں ہے جس کے بعد میں نماز نہ پڑھی ہو۔''

11 ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر آخرت اختیار فرمایا تو حضرت بلالؓ پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اپنے مخدوم و مطاع اور محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی نے ان کے دل کی دنیا اُجاڑ دی۔ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخصت ہونے کے بعد مدینہ میں دل نہیں لگتا تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ مومنین کے لئے سب سے افضل جہاد فی سبیل اللہ ہے میرا ارادہ ہے کہ میں اب تادم مرگ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ''اے بلالؓ! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں، اپنی حرمت، اپنے حقوق کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری عمر زیادہ ہو چکی ہے مجھے اس عالم پیری میں اپنی رفاقت سے محروم نہ کرو۔'' حضرت بلالؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بات مان لی اور مدینہ منورہ ہی میں ٹھہر گئے۔

حضرت بلالؓ ان کی بات مان تو گئے لیکن ساتھ ہی یہ شرط رکھی کہ اب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: ''تمہیں اس بات کا اختیار ہے۔'' چنانچہ انہوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی میں صرف دو مرتبہ اذان دی۔

(بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص 168)

بیت المقدس کی تسخیر کے سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کو بہ نفس نفیس شام کا تاریخی سفر کرنا پڑا، بیت المقدس پہنچنے پر عیسائیوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور خلیفۃ المسلمینؓ نے عیسائیوں سے معاہدہ صلح طے کیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد آپؓ نے مسلمانوں کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ سامعین میں حضرت بلالؓ بھی موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے ہمارے سردار بلالؓ! آج اسلام کے قبلہ اول پر توحید کا پرچم لہرایا ہے اس باعظمت موقع پر آپؓ اذان دیں تو ہم آپؓ کے بے حد شکر گزار رہوں گے۔''

حضرت بلالؓ نے عرض کیا: ''یا خلیفۃ المسلمینؓ! میں عہد کر چکا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زندگی میں کسی کے لئے اذان نہیں دوں گا لیکن آج کے دن کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اور آپؓ کے ارشاد کی تعمیل کے لئے اذان دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اذان دینے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ جب ان کے منہ سے اللہ اکبر! اللہ اکبر! کے الفاظ نکلے تو صحابہ کرامؓ کے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، ایک ناقابل فراموش مانوس آواز جیسے بلند ہوئی تو دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک اور مدینہ کے در و بام کی یادیں تازہ ہوگئیں اور جب آپ اشھد ان محمد رسول اللّٰہ پر پہنچے تو صحابہ کرامؓ پر رقت طاری ہوگئی، روتے روتے نڈھال ہوگئے۔ فاروق اعظمؓ کو فراق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تڑپا دیا اور روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ ہر طرف ایک عجیب آہ و بکا کا منظر تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ روتے روتے بے ہوش ہوگئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ جیسے صحابہ بھی سیل اشک کے سامنے بند نہ باندھ سکے اور زار و قطار روئے، حضرت بلالؓ اذان سے فارغ ہوئے تو بڑی مشکل سے ان عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار آیا۔

اذاں ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی:

جب حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو ان سے پھر جہاد میں شریک ہونے کی اجازت لے کر وہ شام جانے والے لشکر میں شامل ہوگئے تھے۔ شام کے معرکوں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت بلالؓ نے وہیں کے ایک گاؤں ''خولان'' میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ جس فوج نے بیت المقدس میں فاتحانہ داخلے کا اعزاز حاصل کیا تھا اُس میں حضرت بلالؓ بھی شامل تھے۔

(2) ایک رات بلالؓ نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں، ''اے بلالؓ! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کے لئے آؤ۔'' اس خواب نے عاشق و صادقؓ کا دل و دماغ جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ آتش فراق بھڑک اٹھی اور بے تابانہ مدینہ منورہ کا رُخ کیا۔

روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوئے تو صبر وقرار کا یارانہ رہا اور فراق حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس درد سے روئے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بھی سیل اشک رواں ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی موجود تھے۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشوں کو سینے سے لگا کر بار بار ان کا منہ اور سر چومتے تھے۔ انہوں نے فرمائش کی کہ ''بابا بلالؓ! کل فجر کی اذان روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپؓ دیں۔''

حضرت بلالؓ حسنینؓ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اس لئے ان کی بات ٹال نہ سکے۔ یہ خبر سن کر کہ بلالؓ موذن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... فجر کی اذان دیں گے۔ سارا مدینہ اُمڈ آیا۔ جب حضرت بلالؓ نے اپنی زندگی کی آخری اذان دینا شروع کی مدینہ منورہ کی پوری فضا حشر کا سماں ہو گئی، ایک قیامت برپا ہو گئی۔ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد مبارک لوگوں کی نظروں میں گھوم گیا، دلوں کے زخم تازہ ہو گئے۔ ان کے صبر کا دامن چھوٹ گیا، سب طرف سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جب حضرت بلالؓ نے **اشھد ان محمد رسول اللّٰہ** کہا...... تو پردہ نشیں خواتین بھی بے تاب ہو کر گھروں سے نکل آئیں، روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج ہی وصال فرمایا ہے۔

کہا جاتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مدینہ منورہ میں ایسا دلدوز منظر اور پُر اثر منظر مدینہ والوں نے کبھی نہ دیکھا تھا جو حضرت بلالؓ کی اس صدائے دلنواز نے پیدا کر دیا تھا یہ وہی صدائے دل نواز ہے جس نے حضرت بلالؓ کو عالمگیریت بخشی ہے۔ (اسد الغابہ)

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے؟ رومی فنا ہوا، حبشیؓ کو دوام ہے

(تاریخ اسلام جلد 1)

سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب ہیں، جنہیں حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ''سیدنا، سیدی، کا مرتبہ و مقام ملا اور اُن کو ایسے ساتھی مل گئے تھے جن میں سے کوئی ان کی سیاہ

رنگت کو نشانہ تضحیک نہ بناتا تھا اور نہ ہی ان کے موٹے ہونٹوں اور اونچے دانتوں کا مذاق اڑاتا تھا۔ ہر شخص ان سے والہانہ محبت اور خلوص سے پیش آتا تھا اب وہ معمولی غلام نہ تھے بلکہ اسلامی برادری کے نہایت معزز و ممتاز رکن تھے۔

حضرت بلالؓ کے گلشن اخلاق میں، سبقت فی الاسلام، تحمل شدائد، عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شوق جہاد، شغف عبادت اور جوش ایمان سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ سیدنا بلالؓ نے صبر و استقامت، صدق و اخلاص اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو نقوش صفحہ تاریخ پر ثبت کئے ہیں وہ ہر مسلمان کے لئے تا ابد مشعل راہ بنے رہیں گے۔ ان کا اسم گرامی سن کر ہر مسلمان کے دل میں دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں اور تمنا کرتا ہے کہ کاش اس کو حضرت بلالؓ کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہزارواں، لاکھواں حصہ ہی نصیب ہو جائے اور یوں اس کی آخرت سنور جائے۔ امت مسلمہ اس حبشی مردؓ پر فخر کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر فردِ مسلم کو روح بلالؓ سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں۔ آپؓ چھٹے مسلمان ہیں۔ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں جن کو زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل رہا۔ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص تربیت یافتہ شاگرد اور اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مایہ ناز عالم تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قبول اسلام کے سلسلہ میں مورخین نے لکھا ہے کہ آپؓ بچپن ہی میں مکہ کے اُموی سردار عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اس گلہ بانی کے دوران ہی شمع ہدایت سے فیضیاب ہوئے۔

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثار ساتھی ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مکہ سے باہر کسی وادی میں سفر کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت پیاس محسوس ہوئی، قریب کہیں پانی نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بکریاں چرا رہا ہے۔ اس کے قریب آئے اور کہا: ''برخوردار! کیا تم بکری کا کچھ دودھ ہمیں دے سکتے ہو، تاکہ ہم پیاس بجھالیں؟'' نوجوان نے برجستہ جواب دیا: ''میں دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ بکریاں کسی کی امانت ہیں اور میں تو محض معاوضے کا چرواہا ہوں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اس ہونہار بچے کے جواب سے متاثر ہوئے۔ ''اسد الغابہ'' نے اس واقعہ کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! صاحب زادے تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہو جس نے بچے جنے ہوں نہ شیر دار ہو، تو وہ لے آؤ۔'' عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسی بکری خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کے تھنوں پر دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی تو تھن دودھ سے بھر گئے۔ ابوبکر صدیقؓ نے دودھ نکالا پھر تینوں نے سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خشک ہو جا، پس وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

چاند کو دو ٹکڑے فرمانے والی اور کنکریوں کو کلمہ پڑھانے والی ہستی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ معمولی سا معجزہ کون سا بعید از امکان تھا۔ بھیڑ بکریوں کو چرانے والے نوجوان لڑکے نے یہ غیر معمولی واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو دفعتاً اس کے دل کی آنکھیں بھی کھل گئیں، اس نے اپنی منزل کا پتہ پالیا۔ نور بکھیرنے والی شمع فروزاں اس کے ہاتھ آ گئی۔ بے قراری سے منبع علم و ہدایت اور مرکز جود وسخا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں گر گیا اور عرض کیا، ''مجھے بھی اس موثر کلام کی تعلیم سے بہرہ ور کیجئے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوا، ''تم تو پہلے ہی تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔'' اب بکریوں کی گلہ بانی اور معاوضے کا لالچ کہاں! اب تو مکہ کی وادیوں میں بکریاں چرانے کی بجائے ریگ زار جنوں کی صحرا نوردیاں اور بحر عشق کی خواصیاں (خدمت گزاریاں) درپیش تھیں۔ (روشنی کے مینار)

حضرت نے جب اسلام قبول کیا اُس وقت قافلہ حق میں نام لکھوانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مکہ آزمائش کی بھٹی بنتا جا رہا تھا، ابتلاؤ، امتحان کے نت نئے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے تھے، خوف و دہشت کی فضاء پیدا ہو چکی تھی۔ اس گھٹے گھٹے ماحول میں اسلام کا برملا اظہار جان جوکھوں سے کم نہ تھا۔ حضرت عبداللہؓ اس وقت ایمان لائے تھے جب مومنین کی جماعت صرف چند افراد پر مشتمل تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کفار مکہ کے سامنے جس شخص نے سب سے پہلے قرآن پیش کیا وہ عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔

داعیٔ حق کا دل مضبوط ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے۔ ایک دن مسلمانوں نے مل کر اکٹھے اس مسئلہ پر گفتگو کی کہ قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ قرآن سننے سے اس وقت قریش ڈرتے تھے کہ کہیں اس جادوئی کلام کا ان کے دل و دماغ پر اثر نہ ہو جائے۔ قرآن کے اعجاز سے قریش ابھی تک واقف نہیں ہیں۔ کاش! کوئی انہیں قرآن کا کلام سنا دے جو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرماتا ہے۔

لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پر خطر فرض کو کون انجام دے گا؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا کہ یہ کلام میں کرتا ہوں۔ صحابہ کرامؓ نے کہا ہمیں ڈر ہے قریش تم پر زیادتی کریں گے۔ اس کام کے لئے ایسا آدمی چاہیے جس کا قبیلہ بہت زبردست ہو اور قریش اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ''لوگو! مجھے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی خاطر ہر زیادتی گوارا ہے تم مجھے جانے دو، اللہ میرا حافظ ہے۔'' دوسرے روز چاشت کے وقت جبکہ تمام مشرکین قریش حرم میں حاضر تھے۔ آپؓ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد علم القرآن کا سحر آفریں راگ چھیڑا، قریش کے کانوں میں یہ دلفریب آواز پڑی، ایسا دلکش کلام اس سے پہلے نہ سنا تھا۔ سب حیرت و دلچسپی سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اپنی سحر آفریں آواز میں سورۂ رحمٰن کی تلاوت فرماتے رہے۔ مشرکین نے تعجب اور غور سے سن کر پوچھا، ابن اُم عبد کیا گا رہا ہے؟ ایک قریشی نے کہا'' یہ وہی کلام پڑھ رہا ہے جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں کہ ان پر فرشتہ لاتا ہے۔'' اتنا سننا تھا کہ قریش کا حیرت استعجاب، غیض وغضب میں بدل گیا، تمام مجمع مشتعل ہو کر حضرت عبداللہؓ پر ٹوٹ پڑا۔ اس قدر مارا کہ چہرہ زخمی ہو گیا، خون بہنے لگا، چہرہ متورم ہو گیا، حضرت عبداللہؓ مار کھاتے جاتے تھے اور تلاوت کرتے جاتے تھے۔ جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو زیادہ بھڑکا دیتے ہیں اسی طرح حضرت عبداللہؓ کا شعلہ ایمان اس ظلم وتعدی سے اور بھڑک اٹھا۔ غرض اسی طرح گھونسوں، تھپڑوں کی مارا ماری میں پوری سورہ رحمٰن پڑھ لی، ان کی زبان بند نہ ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب اس فرض کو انجام دے کر ساتھیوں میں واپس آئے تو انہوں نے کہا ہمیں یہی ڈر تھا کہ قریش تم پر ظلم کریں گے۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے زخموں کی پروا نہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کی قسم! وہ اللہ اور اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے۔ تم کہو تو کل پھر جا کر ان کے مجمع میں اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت کروں۔ سب نے کہا بس اتنا ہی کافی ہے جس کلام کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے وہ تم نے انہیں بلند آواز سے سنا دیا۔'' (اسد الغابہ)

اسلام قبول کرنے کے بعد آپؓ شب و روز سر چشمہ علم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفید ہوتے، جلوت، خلوت، سفر وحضر غرض ہر موقع پر ساقی معرفت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے لیکن طلب صادق کی پیاس نہ بجھتی۔ انہیں براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شاگردی کا شرف حاصل ہے، فرماتے ہیں کہ ستر (70) سورتیں میں نے خاص نبی پاک صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے دہن مبارک سے سن کر یاد کی تھیں۔(بخاری شریف)

قرآن پاک کے سب سے بڑے عالم تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''جو چاہتا ہے قرآن کو اس حالت میں سنے جس حالت میں وہ نازل ہوا، اسے چاہیے عبداللہ بن مسعودؓ کی تلاوت سن لے۔'' اللہ! اللہ! کتنا بلند مقام ہے۔عبداللہ بن مسعودؓ نے پہلی ہی ملاقات میں محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا تھا اور پہچاننے کے بعد دامن رحمت میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔اب دن رات ایک ہی لگن تھی۔محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت اوران کے ہر حکم پر جان قربان کر دینے کا جذبہ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق و دیوانے تھے۔ یہ محبت صرف ظاہری نہ تھی بلکہ اس محبت کا اثر ان کے کردار واعمال میں سنتوں کی شکل میں نمایاں جھلکتا تھا۔نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُم عبدؓ (عبداللہ بن مسعودؓ) کو اپنے حلقہ خاص میں جگہ دی یہ اتنا بڑا اعزاز تھا کہ وہ اس پر جتنا بھی ناز کرتے کم تھا وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم راز بن گئے۔

نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے وہ اپنی خوبی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں ٹھہرے۔ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو خاندان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عرصہ تک ایک رکن گمان کرتے رہے۔

غرض اس خدمت گزاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرتاً سب سے زیادہ موقع دیا کہ سراپا لطف وکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ کر سکیں۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو خاص تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے لیکن روایت حدیث میں حد درجہ محتاط تھے۔

غزوہ خندق، غزوہ اُحد، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ میں آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔غزوہ حنین میں ایک موقع پر مشرکین یکا یک ٹوٹ پڑے۔مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہو گئے۔دس ہزار کی فوج میں سے صرف اسّی (80) اصحابؓ ثابت قدمی کے ساتھ شمع نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد پروانہ وار اپنی جاں نثاری کے جوہر دکھاتے رہے۔عبداللہ بن مسعودؓ کی

خدمت میں میری آمدورفت رہی لیکن کبھی میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا۔ ایک دفعہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقرہ نکل گیا، دیکھا تو ان کا تمام بدن تھرا اٹھا، خوف و ہراس سے عرق عرق ہو گئے۔ روایت کرنے سے اتنا ڈرتے کہ کبھی روایت بیان کرنی ہوتی تو چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور بسا اوقات تو الفاظ بھی ادا نہ کر سکتے تھے۔ دراصل ان کے سامنے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول ہر وقت رہتا تھا۔ (صحیح بخاری جلد 1) (ابوداؤد کتاب العلم) (مسند احمد جلد اول)

''جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کی اسے اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھ لینا چاہئے۔'' کیا یہ عشق کی انتہا نہیں تو کیا ہے؟

''عشق تیری انتہا، عشق میری انتہا:

شاگردوں کو عموماً روایت حدیث میں احتیاط کی ہدایت فرماتے تھے اور کہتے جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو ہمیشہ اس خیال کو پیش نظر رکھو کہ خدا کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ مقدس، پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے۔

بسا اوقات مذاکرہ حدیث کے شوق میں تلامذہ واحباب کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہد نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر رہتا۔ وابصہ اسدیؓ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکایک دروازے سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی، باہر نکل کر دیکھا عبداللہ بن مسعودؓ تھے، میں نے کہا عبداللہؓ یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے بولے فرصت ملی تو خیال آیا کہ کسی سے باتیں کر کے عہد مقدس کی یاد تازہ کرلوں۔

حضرت عبداللہؓ حدیث بیان کرتے وقت نہایت مودب، متین اور سنجیدہ بن جاتے تھے۔ اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے۔ گویا سامع خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے۔

مسند احمد میں ایک روایت مذکور ہے انہوں نے ایک لمبی حدیث بیان کی، روز حشر، جزا سزا، جنت دوزخ، مومنین اور ربّ ذوالجلال کے سوال جواب وغیرہ کا تذکرہ اس حدیث میں تھا۔ حدیث بیان کرنے کے بعد عبداللہؓ مسکرائے، کچھ توقف کے بعد لوگوں سے فرمایا: ''تم نے پوچھا نہیں میں کیوں

مسکرایا ہوں؟ لوگوں نے عرض کی آپؐ ہی فرمایئے آپؐ کیوں مسکرائے تھے، فرمانے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ حدیث بیان کی تھی کہ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا تھا۔

یہ ہے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان صفات کے سلسلے میں اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ انہیں ایک شخص نے خواب سنایا کہ میں نے رات خواب دیکھا کہ حضور طیب وطاہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اونچے ممبر پر بیٹھے ہیں اور آپؓ اُن کے سامنے کھڑے ہیں۔ اُسی لمحے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عبداللہؓ میرے بعد تم نے بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ آؤ اب میرے پاس چلے آؤ۔''

خواب سننے کے بعد پوچھا: ''کیا واقع تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟'' اس شخص نے جواب دیا، ''ہاں'' فرمایا: ''تم میرے جنازے میں شریک ہوگے۔'' چند دنوں بعد یہ خواب حقیقت بن گیا۔ یوں بکریاں چرانے والا ایک لڑکا کامل واکمل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر بیعت کرکے دنیا کا قائد ورہنما اور علم وحکمت کے دریا کا منبع بن کر زندہ رہا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ''

حضرت زید بن حارثہؓ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ترین صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔ زیدؓ کے بچپن میں ایک باران کو لے کران کی والدہ اپنے میکے جارہی تھی۔ راستہ میں ایک جگہ خیمہ کے باہر کھیل رہے تھے کہ بنوقین کے کچھ غارت گھر زیدؓ کو خیمے کے سامنے سے اُٹھا کر لے گئے اور عکاظ کے بازار میں لے جا کر فروخت کر دیا۔ حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی خدیجہؓ بنت خویلد کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے زیدؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر کر دیا جن کے واسطے سے زیدؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔

(طبقات ابن سعد)

حضرت زیدؓ بن حارثہ آسمان فضائل کے مہر عالم تاب ہیں۔ آپؓ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن پاک میں آیا ہے دیگر صحابہؓ کے متعلق ارشادات تو قرآن میں ملتے ہیں مثلاً صدیق اکبرؓ کے بارے میں واضح الفاظ میں سورۂ توبہ میں ہجرت کے ذیل میں تذکرہ ملتا ہے لیکن پورے قرآن پاک میں کسی اور صحابیؓ کا صراحتاً نام لے کر ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ اعزاز صرف حضرت زیدؓ بن حارثہ ہی کو حاصل ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاج نبوت سے سرفراز کیا گیا تو زیدؓ نے اس مرحلے پر بھی حق کی طرف لپکنے میں سعی کی، غلاموں میں اگر چہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیدؓ کو آزاد کر دیا تھا) سب سے پہلے زیدؓ ہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور زیدؓ بن حارثہ، یہ وہ چار خوش نصیب افراد ہیں جو سب سے پہلے کلمہ حق ادا کر کے دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہو گئے۔

حضرت زیدؓ کو ''محبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب کہا جاتا تھا۔'' آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیدؓ کو اولاد سے بھی زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ حضرت زیدؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت کرتے تھے اتنے گرویدہ تھے کہ انہوں نے اپنے ماں باپ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترجیح دی تھی یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ابھی

وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔

حضرت زیدؓ کے گم ہونے کا ان کے والد کو بہت غم تھا۔ان کی گمشدگی کی خبر سن کر ان کی حالت غیر ہوگئی۔دن رات ان کی یاد میں آنسو بہانے کے علاوہ کوئی کام نہ تھا۔اشعار پڑھے پھرا کرتے اور روتے رہتے۔زیدؓ کی تلاش میں عرب کے ریگ زار چھان ڈالے،لیکن کچھ پتہ نہ چلا،ناکامی کے باوجود مایوس ہو کر نہیں بیٹھے رہے بلکہ تہیہ کر لیا تھا کہ عمر بھر اپنے لخت جگر کی تلاش جاری رکھیں گے۔

پھر یوں ہوا کہ اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگوں کا حج کو جانا ہوا،تو انہوں نے ایک بازار میں حضرت زیدؓ کو پہچان لیا کہ یہی حارثہ کا گم شدہ فرزند ہے۔انہوں نے واپس جا کر حارثہ بن شرجیل کو اطلاع دی کہ تمہارا بیٹا زید مکہ میں صحیح سلامت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس غلام ہے تو وہ اسی وقت فدیہ کی رقم لے کر مکہ مکرمہ پہنچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے،بڑی عاجزی وانکساری سے منت کی التجا کی،"اے ابن عبداللہ! اے ابن عبدالمطلب! اے اپنی قوم کے رئیس زادے!!! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمزدوں کی دست گیری کرنے والے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے غم والم کا بھی مداوا کر سکتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے گھر کے پڑوسی ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود قیدیوں کو رہا کرواتے ہو۔ہم اپنے بیٹے کی طلب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے ہیں،ہم پر احسان کریں،فدیہ قبول کر لیں اور زیدؓ کو رہا کر دیں بلکہ جو فدیہ اس سے زیادہ لے لیں اور زیدؓ کو ہمیں دے دیں۔"

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر سوچ کر فرمایا:"زیدؓ آزاد ہے اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ کے تمہاری نذر ہے اگر وہ خود جانا نہ چاہے تو میں اس پر جبر نہیں کر سکتا۔زیدؓ کے والد اور چچا نے یہ تجویز سنی تو خوشی سے ان کا چہرہ دمک اُٹھا،انہوں نے کہا یہ بات ہمیں منظور ہے۔"

حضرت زیدؓ بلائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم انہیں پہچانتے ہو؟ زیدؓ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان...... میں پہچانتا ہوں یہ میرے والد اور چچا ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:تمہیں اختیار ہے میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو اوران کے ساتھ جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے اجازت ہے۔زیدؓ کے والد اور چچا نے دل میں سوچا ہمارا بچہ ہے کسی کو ہم پر کیسے ترجیح دے سکتا ہے لیکن زیدؓ کا جواب سن کر وہ حیران و پریشان رہ گئے جب زیدؓ

نے کہا...... ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بیشک یہ میرے والد اور چچا ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میرے ماں باپ اور سب کچھ ہیں۔''

زیدؓ کے والد اور چچا نے کہا تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو؟ اپنے وطن، اپنے خاندان اور ماں باپ سے زیادہ ان لوگوں سے پیار ہے؟ زیدؓ نے اپنے والد کو جواب دیا: ''مجھے اس ذات پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دنیا کی ہر چیز ہیچ ہے۔ میں ان کی غلامی کو ہزار آزادیوں پر ترجیح دیتا ہوں، میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہوں گا۔''

زیدؓ کا یہ جواب سن کر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اٹھے زیدؓ کا ہاتھ پکڑ کر خانہ کعبہ میں حجر اسود کے پاس لے گئے اور فرمایا: ''زیدؓ آج سے میرا بیٹا ہے میں اس کا وارث ہوں یہ میرا وارث ہے۔''

حارث وکعب بھی بڑے خوش ہوئے اور مطمئن ہو گئے کہ یہاں زیدؓ کو ماں باپ سے زیادہ شفقت و پیار میسر ہے۔ زیدؓ سے گلے ملے اور خوشی خوشی رخصت ہو گئے۔

زیدؓ اس وقت بچے تھے، بچپن کی حالت میں اپنے ماں باپ، رشتہ داروں کو غلامی پر قربان کر دینا جس پیار و محبت کا پتہ دیتا ہے وہ ظاہر ہے...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے زیدؓ کا یہی عشق تھا جس نے حضرت زیدؓ کو دنیا و آخرت کی ہر دولت سے مالا مال کر دیا۔

ہوئی اس سے تیرے غم کدے کی آبادی تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

(طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث)

مکی و مدنی زندگی میں کوئی مصیبت و سختی ایسی نہ تھی جس میں حضرت زیدؓ نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہ دیا ہو۔ نبوت کے چوتھے سال جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم الٰہی کے مطابق دعوت حق کو آشکار کر دیا تھا اور مختلف قبائل کو اعلانیہ حق کی طرف بلانا شروع کیا تو لات وعزیٰ کے پجاریوں کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ انہوں نے پرستاراں حق پر بے پناہ ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ اس پرآشوب دور میں چشم فلک نے کئی بار دیکھا کہ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی قبیلے میں تبلیغ حق کے لئے جا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی پر پیچھے حضرت زیدؓ کو بٹھا رکھا ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پا پیادہ تشریف لے جا رہے ہیں تو زیدؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم پر نثار ہو جانے کا جذبہ دل میں لئے ساتھ ساتھ ہیں۔

سفر طائف میں بھی زیدؓ آپ صادق و امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے وہاں کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پذیرائی نہیں کی۔ طائف کے سرداروں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے ناشائستہ اور بھونڈے جواب دیئے بلکہ یہاں تک کہہ دیا، ''کیا تمہارے سوا خدا کو کوئی اور آدمی نہیں ملا جسے نبی بناتا۔'' بہتر ہے یہاں سے چلتے بنو، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ طائف کے لونڈوں اور اوباشوں کو پیچھے لگا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب ستائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرف تشریف لے جاتے وہ پیچھے تالیاں پیٹتے، آوازیں کستے، گالیاں بکتے، حضرت زیدؓ اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بنا لیتے۔ ان کی یہی کوشش ہوتی پتھر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پر پڑنے کی بجائے ان کو لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدید زخمی ہو گئے، جسم اطہر خون میں نہا گیا۔ حضرت زیدؓ بھی لہولہان اور زخموں سے چور تھے، نڈھال ہو گئے، مجبور ہو کر شہر سے باہر انگوروں کے ایک باغ میں پناہ لی۔ حضرت زیدؓ نے اپنی چادر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے خون صاف کیا، پھر اپنے زخم صاف کئے اور مکہ کو روانہ ہو گئے۔

حضرت زیدؓ نہ صرف سفر و حضر میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ہجرت سے چند سال پہلے ایک دفعہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہے اسے اُم ایمنؓ سے نکاح کرنا چاہیے۔ اُم ایمنؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دایا تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بے حد تعظیم فرماتے تھے اور فرط محبت سے انہیں ''میری ماں'' فرمایا کرتے تھے۔ حضرت زیدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر اُم ایمنؓ سے نکاح کر لیا حالانکہ وہ عمر میں حضرت زیدؓ سے کہیں زیادہ بڑی تھیں۔

حضرت زیدؓ کی فضیلت میں کوئی ان کا شریک نہیں۔ ان کے صحیفہ اخلاق میں حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفا شعاری، شوق جہاد، ذوق عبادت، فقر و غنا اور انکسار و تواضع کے ابواب سب سے نمایاں ہیں۔ اپنے اخلاق حمیدہ، اور جذبہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت انہیں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درجہ محبوبیت حاصل ہو گیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ شیفتگی، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں جان قربان کرنے کے ان مٹ جذبے کی وجہ سے وہ حب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے جو کبھی ابن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے مشہور تھے۔ اسی لئے حضرت زیدؓ کی اولاد کو دیکھ کر بڑے بڑے رفیع المرتبت صحابہ کرامؓ ازخود رفتہ ہو جاتے تھے۔ انہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ مقدس زمانہ یاد آ جاتا تھا جب زیدؓ نے اپنا سب کچھ عشق حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر کر دیا تھا۔ وہ ہر معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع و پیروی کرتے تھے۔ ان کی پوری زندگی خشیت الٰہی، اطاعت ومحبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عبادت وتقویٰ اور خدمت خلق کی آئینہ دار تھی۔

یہی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خصائل واوصاف تھے جنہوں نے زیدؓ بن حارثہ کو خیر الخلائق رحمت عالم، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب بنا دیا تھا۔ حضرت زیدؓ کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مولانا ضیاء احمد بدایوانی نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے۔

زبدہ حلقہ احباب وفا حضرت زیدؓ — تھے جو مشہور پسر خواندہ شاہ ابرار
متفق ہو کے جنہیں کہتے سب اہل سیر — اولین حلقہ بگوشان رحمت میں شمار
ہیں یہی جن کو کیا نام سے قرآن میں یاد — حق نے منجملہ اصحاب رسول مختار
اپنے ماں باپ سے بچپن میں چھڑ کر اک دن — سر بازار بکے صورت یوسف ناچار
لے کے پھر خدمت سلطان دو عالمؐ کے لئے — کر دیا نذر خدیجہؓ نے انہیں آخر کار
باپ نے یوسف گم گشتہ کی پائی جو خبر — دل کو دم بھر نہ رہا صورت یعقوب قرار
آئے مکہ میں کہا حال شہ والا سے — ہوا ارشاد کہ خود زیدؓ ہیں اس میں مختار
آزمائش تھی یہ کچھ ایسی کٹھن جس کے سبب — اک عجب کشمکش صعب میں تھی جان خزار
اک طرف باپ کی کلفت سے بھی خاطر مغموم — اک طرف آپؐ کی الفت سے تھی فطرت سرشار
عقل کہتی تھی کہ راحت دنیا منظور — عشق کہتا تھا کہ گوارا ہے مجھے بستر خار

تھام کر دامن سرکارؐ کو آخر یہ کہا
لاکھ آزادیاں اک تیری غلامی پہ نثار

حضرت معاذؓ بن جبل انصاری

سیدنا عبدالرحمٰن معاذؓ بن جبل کا شمار خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان عظیم المرتبت جاں نثاروں میں ہوتا ہے جو ایک طرف تو راہ حق کے پُر جوش مجاہد اور گوناگوں محاسن اخلاق کا پیکر تھے تو دوسری طرف علم وفضل کا ایسا مجمع البحرین تھے کہ ایک دنیا ان کے فیوض علمی سے بہرہ یاب ہوتی تھی جن کو علم وفضل کے اعتبار سے اساطین اُمت تسلیم کیا جاتا ہے۔ حضرت معاذؓ ان بہتر (72) پاک نفس انسانوں میں شامل تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت وملاقات کا شرف حاصل کرنے اور تاریخ کے صفحات میں اپنے ہاتھوں سے ایک دلکش اور روشن ترین باب رقم کرنے مکہ گئے۔

حضرت معاذؓ کا عنفوان شباب تھا کہ بعض یثربیوں سے کچھ عجیب باتیں سنیں، انہوں نے معاذؓ کو بتایا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوئے ہیں جو شرک اور بت پرستی کی مذمت کرتے ہیں، لوگوں کو خدائے واحد کی عبادت کی تعلیم دیتے ہیں۔ نوجوان معاذؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیم عطا کی تھی۔ وہ ان باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور اسلام کی سعادت عظمیٰ سے بہریاب ہوگئے۔ حضرت معاذؓ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوکر یثرب واپس آئے تو ان کے جوش ایمان کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ان کی بھرپور جوانی کا زمانہ تھا لیکن ان کے دل میں کوئی اُمنگ تھی تو یہی کہ مشرکین کے بتوں کو پاش پاش کردیں اور یثرب کے بچے بچے کا سر آستان اسلام پر جھکادیں۔ اس وقت حضرت معاذؓ کی عمر 18 برس تھی۔

ہجرت فرمانے کے بعد جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت معاذؓ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فراواں تھا، خوشی ومسرت کا یہ عالم تھا کہ قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے اب وہ تھے اور سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آستانہ اقدس، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدائی کا تصور بھی ان کے لئے سوہان روح تھا، ان کی محبت وبے پناہ عقیدت کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون قدردان ہوسکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سحاب لطف وکرم ان پر جھوم جھوم کر برستا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کا سینہ کلام الٰہی (قرآن حکیم) اور

ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخزن بن گیا ایک دنیا اُن کے تبحر علمی کی معترف و مداح ہوگئی۔

ایک دن بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طویل القامت، روشن چہرے اور بڑی بڑی سرگیں آنکھوں والے ایک گورے چٹے نوجوان حاضر تھے اور بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سن رہے تھے۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے جواب میں کچھ عرض کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ دردندان سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ یکا یک سراپا لطف وکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ لیا اور فرمایا: ''میں تم سے بہت محبت رکھتا ہوں۔'' (خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار ص 331)

نوجوان نے فرط محبت سے بے خود ہو کر عرض کیا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان مجھے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غایت درجہ محبت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر محبوب ہیں۔''

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متبسم ہو کر فرمایا: اچھا تو تمام نمازوں کے بعد یہ دعا پڑھنا کبھی نہ بھولنا۔

''رب اعنی علی ذکرک و شکرک وحسن عبادتک''.

ترجمہ: ''اے اللہ! اپنا ذکر وشکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لئے میری مدد فرما۔''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر ہمیشہ عمل کروں گا اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی وصیت کروں گا۔'' یہ سعادت مند نوجوان حضرت معاذؓ بن جبل انصاری تھے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو نومسلم روسائے یمن کی طرف سے ایک سفارت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور استدعا کی کہ اپنا کوئی نمائندہ یمن کی امارت پر معمور فرمایئے جو عام تبلیغ کے علاوہ لوگوں کو دینی مسائل بھی سکھائے اور ملک کا نظم ونسق بھی چلائے۔ اس اہم خدمت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر انتخاب حضرت معاذؓ بن جبل پر پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذؓ سے فرمایا کہ: ''میرا ارادہ ہے تمہیں اہل یمن پر حاکم بنا کر بھیجوں، وہاں تمہیں گوناگوں مسائل سے واسطہ پڑے گا یہ بتاؤ جب

تمہارے پاس کوئی جھگڑا آئے گا کیسے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا، کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا، اگر تمہیں کتاب اللہ میں کوئی نص صریح فیصلے کے لئے نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کیا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی تمہیں کوئی چیز نہ ملے؟'' عرض کیا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور ذرا بھی کوتاہی نہ کروں گا۔''

حضرت معاذؓ کے جوابات سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور ان کے سینے پر ہاتھ مبارک مار کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی وخوش ہے۔''

(خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار ص340)

حضرت معاذؓ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ عشق رکھتے تھے۔ متعدد ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت معاذؓ یمن کے لئے تیار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دور تک رخصت کرنے کے لئے بنفس نفیس تشریف لائے۔ ایک روایت میں ہے حضرت معاذؓ اونٹ پر سوار تھے اور نبی پاک پا پیادہ ساتھ چل رہے تھے اور حضرت معاذؓ سے گفتگو کرتے جاتے تھے۔ اس حالت میں معاذؓ بہت بے چین تھے اور اونٹ سے اترنا چاہتے تھے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ حضرت معاذؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش اور حکم کے مطابق سواری سے نہیں اترے ہوں گے۔ اثنائے گفتگو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''معاذؓ! یمن کے لوگوں کے لئے معاملات کو آسان بنانا، لوگوں کو محبت پیش کرنا اور ان کو نفرت مت دینا۔''

دوران گفتگو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ''معاذؓ! تم پر قرض بہت ہے اگر کوئی ہدیہ لائے تو قبول کر لیں میری طرف سے اجازت ہے۔'' قیاس یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذؓ کے مقروض ہونے کی بنا پر اجازت فرمائی ہوگی کیونکہ وہ راہ خدا میں اپنا مال لٹانے کی بنا پر مقروض ہوئے تھے۔ معاذؓ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شائد اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو اور مدینہ واپس آؤ تو میری قبر دیکھو۔''

(خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثار ص 342)(معارف الحدیث حصہ ہشتم ص 422)

حضرت معاذؓ عاشق صادق تھے اتنا سننا تھا کہ تڑپ اُٹھے۔ زار و قطار رونے لگے اور ہچکیاں بندھ گئیں، فرطِ غم سے ایک لفظ منہ سے نہ نکلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''معاذؓ! رو و مت، اس طرح رونا اچھی بات نہیں۔'' ان الفاظ کے سنتے ہی حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پابند، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیوانے حضرت معاذؓ ایک دم خاموش ہوگئے اور صبر کا پتھر اس طرح سینے پر رکھ لیا جیسے کوئی بات ہی نہیں تھی۔ بڑے ادب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الوداعی سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ اللہ تمہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے ہر قسم کی مصیبتوں سے بچائے اور جن و انس کے شر سے محفوظ رکھے۔'' (صحیح بخاری کتاب المغازی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی، معاذؓ کی آنکھیں پھر کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے روشن نہ ہوسکیں۔ حضرت معاذؓ ابھی یمن ہی میں تھے کہ 11ھ ربیع الاول میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا۔ حضرت معاذؓ کو اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائمی جدائی کی خبر ملی تو ان پر کوہ الم ٹوٹ پڑا، یمن سے دل اُچاٹ ہوگیا، کچھ عرصہ بعد امارت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوکر مدینہ منورہ واپس آگئے۔ مدینہ منورہ کو اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انس و محبت سے خالی پایا تو بہت روئے۔ مدینہ منورہ میں بھی زیادہ دیر قیام نہ فرمایا۔ انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو حرز جاں بنا رکھا تھا کہ سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمرکابی میں تمام غزوات میں شرکت کا اعزاز و شرف حاصل کر چکے تھے۔ اب سوچا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد گھر میں بیٹھے رہنا جوانمردی نہیں ہے باقی زندگی میدان جہاد ہی میں گزرنی چاہیے۔ اس وقت شام سے معرکہ آرائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس لئے شام جانے والے مجاہدین میں شامل ہوگئے۔

18ھ میں مصر، عراق اور شام میں طاعون (پلیگ) کی خوفناک وباء پھوٹ پڑی۔ حضرت معاذؓ بن جبل اس زمانہ میں سپہ سالار شام حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کے ساتھ شام میں مقیم تھے۔ ہزاروں مجاہدین اس وباء میں مبتلا ہوکر فوت ہو چکے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ بھی اس مرض میں مبتلا ہوگئے، جب مرض نے شدت اختیار کی تو انہوں نے حضرت معاذؓ کو بلا کر اپنا جانشین مقرر کر دیا۔

مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ اس موقع پر حضرت ابوعبیدہؓ نے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ لوگو! یہ وباء تمہارے پروردگار کی رحمت، تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اور تم سے قبل کے نیکوں کی موت ہے اور اب ابوعبیدہؓ بھی اپنے رب سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے...... ابھی ان کا خطبہ جاری تھا کہ نماز کا وقت آ گیا، اُدھر نماز ختم ہوئی اُدھر ابوعبیدہؓ بن جراح کی روح ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کرگئی۔ حضرت معاذؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (مسند احمد بن حنبلؒ)

حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت معاذؓ کو مشورہ دیا کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہونا بہتر ہوگا۔ حضرت معاذؓ اس پر برہم ہو گئے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا جس میں وہی الفاظ دہرائے جو ابو عبیدہؓ نے اپنی وفات سے پہلے فرمائے تھے۔ مسند احمد بن حنبلؒ کے مطابق انہوں نے ان الفاظ پر یہ بھی اضافہ کیا کہ ''لوگو! میں نے نبی صادق وامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت معاذؓ کی پُرشوق اور روحوں کو جگاتی دلوں کو جونکاتی آواز بلند ہوئی کہ مسلمان شام کو فتح کر لیں گے پھر ایک بیماری پیدا ہوگی جو پھوڑے کی طرح جسم کو زخمی کرے گی اور جو اس میں مرے گا وہ شہید ہوگا اور اس کا نامہ اعمال پاک ہوجائے گا۔''

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے حضرت معاذؓ پر وجد وسرشاری کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آخرت کی اس شاندار کامیابی کے تصور نے ان کو بے خود سا کر دیا، وارفتگی کے عالم میں بے اختیار پکار اُٹھے۔ ''خداوند! اگر یہ بات میں نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے سنی ہے تو یہ رحمت میرے گھر میں بھی بھیج اور میرا دامن شوق اس حصہ وافر سے بھر دے۔''

سننے والے ایک دفعہ پھر چونک اٹھے لیکن یہ چوکنا رشک وعقیدت کی بنا پر تھا جن کے شدید جذبات معاذؓ کی شہادت طلبی کی سرمستیاں دیکھ کر ایک ایک سینے میں جاگ اُٹھے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کیا وباء میں شہادت کا پہلو دیکھ کر فرطِ شوق سے بے تاب ہونے والا اس کی عملی گھاٹیوں کو بھی اسی بے تابی اور شوق سے طے کرے گا۔ عملی گھاٹی شروع ہوگئی حق کی پہلی آزمائش بن کر انکے گھر میں داخل ہوئی۔ خطبے کے بعد خیمے میں آئے تو اکلوتے فرزند عبدالرحمٰنؓ کو بیمار پایا، بڑے حوصلے اور ضبط سے بیٹے کو نصیحت فرمائی۔

''اے بیٹے! یہ خدا کی طرف سے ہے دیکھنا اس میں کوئی شک تمہارے دل میں نہ آئے۔''

بیٹے نے جواب دیا، اللہ نے چاہا تو آپؓ مجھے صابروں میں پائیں گے یہ کہہ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس سے پہلے بھی حضرت معاذؓ کی دو بیویاں بھی اسی بیماری میں وفات پا چکی تھیں۔ اب اکلوتے فرزند کی وفات کے بعد بالکل تنہا رہ گئے تھے لیکن انہیں بھی جلد مالک حقیقی کی طرف سے بلاوا آ پہنچا۔ آخر تکمیل آرزو کا وقت آیا اور جس رحمت کے لئے دامن پھیلایا گیا تھا وہ معاذؓ کے دامن میں آ گئی۔ داہنے ہاتھ کی انگشت مبارک پر پھوڑا نمودار ہوا۔ شدت کی تکلیف تھی لیکن وہ خوش تھے اس موت کا خیر مقدم کرتے ہوئے دیدہ دل فرش راہ کر رہے تھے اور فرماتے تھے۔ اس درد کے آگے دنیا بھر کی دولت اور راحتیں ہیچ ہیں۔ شدت درد سے بے ہوش ہو جاتے جب ہوش آتا تو فرماتے ''الٰہی! تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے کتنا پیار کرتا ہوں۔'' مرض کی شدت کچھ اور بڑھ گئی، وفات کی رات کو بہت بے چین تھے، بار بار پوچھتے تھے صبح ہوگئی جب رات گزر گئی انہیں بتایا گیا کہ اب صبح ہوگئی ہے تو فرمایا: میں اس رات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جس کی صبح جہنم کی طرف لے جائے۔ جوں جوں منزل سکون کی طرف آ رہی تھی۔ اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ اضطراب ان الفاظ میں ڈھل گیا۔ ''الٰہی! بے شک میں تجھ سے ڈرا کرتا تھا آج میں تجھ سے رحمت و مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔'' الٰہی! تو خوب جانتا ہے۔ ''مجھے نہ موت کا ملال ہے اور نہ دنیا چھوٹ جانے کا، مجھے فکر ہے تو یہ ہے کہ معلوم نہیں آخرت میں میرا کیا حال ہوگا میں اپنے خدا کو کیا جواب دوں گا۔

''یہی تھیں وہ پاک و کامیاب روحیں جو سچ مچ اپنے خدا سے راضی ہوگئیں اور ان کا خدا ان سے راضی ہو گیا

بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معاذؓ کو لطف خاص کا مستحق جانتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی انہیں تعلیم دیتے رہتے تھے اور معاذؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اکتساب فیض کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ حضرت معاذؓ سالہا سال تک نبوت کے سرچشمہ فیض سے براہ راست سیراب ہوئے تھے۔ فقہ میں حضرت معاذؓ کی جلالت قدر پر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر صدیق مہر ثبت کی کہ معاذؓ بن جبل ہمارے صحابہ کرامؓ میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ ان کے علم و فضل کے بارے میں اس واقعہ سے بھی اندازہ لگائیں۔

مشہور تابعی ابو مسلم خولانیؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حمص کی جامع مسجد میں دیکھا گیا بتیس (32) صحابہ کرامؓ ایک حلقے میں بیٹھے ہیں اور دینی مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں، ایک نوجوان کے سوا سب صحابہ کرامؓ معمر تھے جب کسی معاملہ میں وہ متفق نہ ہوتے تو اس نوجوان کی طرف رجوع کرتے جو آناً فاناً فیصلہ کر دیتا۔ میں نے پوچھا یہ نوجوان کون ہے؟ لوگوں نے بتایا ''یہ حضرت معاذؓ بن جبل ہیں۔''

جوش ایمان کی کفیت تھی کہ بیعت عقبہ کبیرہ سے واپس آئے تو گھر گھر بتوں کا صفایا کرتے پھرتے تھے۔ قرآن وحدیث سے شغف کا یہ عالم تھا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہی قرآن حفظ کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک سے جو بات سنی اس کو حرز جاں بنا لیا۔ فیضان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہریاب ہونے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ حضرت معاذؓ کی عادت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا ہوتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ نہ کچھ سوال ضرور کرتے اور کبھی وہ کچھ نہ پوچھتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: ''معاذؓ! تم نے تنہائی ہونے کے باوجود مجھ سے کوئی سوال کیوں نہیں کیا؟

''یہ عشق نہیں تو کیا ہے؟'':

حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوش ایمان، شغف قرآن وحدیث، جہاد فی سبیل اللہ، شوق علم، پیروی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اصابت رائے، تفقہ فی الدین، شوق تبلیغ ونصیحت، جودوسخا، حضرت معاذؓ بن جبل کی کتاب سیرت واخلاق کے سب سے نمایاں ابواب ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مصعبؓ بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مصعبؓ بن عمیر عرب کے نوجوانوں میں بڑے خوبصورت اور بہادر تھے۔ والدین کے اکلوتے بیٹے تھے، مال دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کی ابتدائی زندگی عیش وتنعم کا نمونہ تھی۔ سیم وزر کے انباروں میں پروان چڑھنے والا یہ نوجوان قدرت کی طرف سے کسی اور ہی مقصد کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔

اہل اسلام نے دیکھا کہ ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا لیکن انہوں نے باطل سے مصالحت کرنا گوارا نہ کیا۔ ان کے سامنے بارہا دین اور دنیا میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا سوال آیا اور انہوں نے ہر بار دین کو دنیا پر ترجیح دی۔

قبول اسلام سے پہلے حضرت مصعبؓ بن عمیر عرب میں سب سے زیادہ خوش پوشاک تھے ان کے جسم پر اطلس وحریر کے وہ اعلیٰ پارچات ہوتے تھے جن کو روساء بھی بصد حسرت دیکھتے تھے، تمام عرب میں آپؓ کی خوش ذوقی ونفاست کا چرچا تھا۔ بہترین قسم کی خوشبوئیں استعمال کرتے تھے جب یہ مکہ کی راہوں سے گزرتے تھے تو لوگ صرف خوشبو سے اندازہ کر لیتے تھے کہ مصعبؓ آ رہے ہیں۔ تاریخ میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا جاتا تھا۔ کان (عطر اہل المکہ (اہل مکہ میں سب سے زیادہ عطر لگانے والا مصعبؓ بن عمیر تھا) ظاہری شان وشوکت کے ساتھ بہت وجیہہ وشکیل (خوبصورت) بھی تھے اور بہت اچھے گھوڑ سوار بھی۔ ذوق لطیف اور قلب سلیم کے بھی مالک تھے۔

اسلام لانے کے بعد عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام آرائشیں ترک کر دیں۔ ہر زمانے اور ہر دور میں داعی اور دعوت حق کے راہوں کو بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں جلد معلوم ہو جاتا ہے وہ جس راہ کو اختیار کر رہے ہیں وہ پھولوں کی سیج نہیں ہے، قافلہ حق کے ساتھ سفر کرنے کا ارادہ ''جرم'' ہے جس کی پاداش میں بیگانے چھوڑ اپنے بھی پتھر برسانے سے باز نہیں آتے۔ مصعبؓ کی زندگی انہی سچائیوں کی شہادت دیتی ہے۔

عمیرؓ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب میں آئے تو عشق کی آگ نے ایسا

سوختہ کیا کہ اپنا سب کچھ اس میں جلا ڈالا، تمام تکلفات بھول گئے۔ ایک کمبل اُس میں کانٹے اٹکا کر تن پوش کر لیتے۔ مصعبؓ کی سلیم الفطرتی نے انہیں دعوت اسلام پر لبیک کہنے پر مجبور کر دیا۔ مصعبؓ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت اسلام کے مدرسہ ثانی دار ارقم میں تشریف فرما تھے۔ آپؓ اسلام قبول کر کے واپس آئے کچھ عرصہ تک اپنا اسلام لانا ظاہر نہیں کیا، خاموشی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اپنی والدہ اور اپنی قوم کے ڈر سے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔ آخر ایک دن آپؓ کے چچا زاد عثمان بن طلحہ نے مصعبؓ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور آپؓ کی والدہ کو بتا دیا۔ والدہ نہایت سخت مزاج اور باپ دادا کے مذہب کی سختی سے پابندی کرتی تھیں۔ اسلام کے ظاہر ہونے کے بعد والدہ اپنی محبت کو بھول گئی اور آپؓ پر مصیبتوں اور آزمائشوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

حضرت مصعبؓ کے گھر والوں نے انہیں قید کر دیا، طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینی شروع کر دیں، ناز و نعم میں پلا ہوا، پھولوں کی سیج پر لیٹنے والا اور دنیا کے دکھوں سے بے خبر مصعبؓ بن عمیر اب ایک نئے دور میں داخل ہو گئے۔ اب ان کے جسم پر کھجور کی تازہ شاخوں سے ضربیں لگائی جاتیں، جن سے خون کے فوارے پھوٹنے لگتے اور سارا دن بدن لہولہان ہو جاتا تھا۔

آزمائش کبھی ایک جیسی نہیں ہوا کرتی اگر ایک ہتھیار کارگر ثابت نہ ہو تو کوئی دوسرا استعمال کیا جاتا ہے۔ جب حضرت مصعبؓ بن عمیر کو جسمانی ایذائیں جادہ مستقیم سے ہٹانے میں ناکام ہو گئیں پھر معاشرتی بائیکاٹ کا حربہ آزمایا گیا، والدین نے آپؓ کو گھر سے نکال کر بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔

(طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی مصعبؓ بن عمیر کا ذکر فرمایا کرتے تو ارشاد فرماتے: ''میں نے مکہ میں مصعبؓ سے زیادہ کسی کو ناز پروردہ، خوش لباس اور خوش حال نہیں دیکھا۔'' پھر ان کی خستہ حالی دیکھ کر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ ایک دن دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو جسم ڈھانپنے کے لئے صرف چادر کا ایک ٹکڑا لپیٹے ہوئے تھے جس میں جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''الحمدللہ! یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں

کوئی ناز پروردہ نہ تھا لیکن نیکی کی رغبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق و محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا۔'' تمام عیش وعشرت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر قربان کر دیا۔

مکہ کے کوچہ و بازار میں جہاں مصعبؓ بن عمیر بادشاہوں کی سی شان وشوکت کے ساتھ چلا کرتے تھے اب اسی مکہ کے کوچہ بازاروں میں ایک کھردرے کمبل میں ملبوس تحریک اسلامی کے کارکن کی حیثیت سے مصروف تبلیغ رہنے لگے۔ داعی تحریک کی حیثیت سے حضرت مصعبؓ بن عمیر کا رتبہ بلند ہے۔ آپؓ نے جس خوبی کے ساتھ مدینہ میں اسلامی تحریک کا کام پھیلایا اور جس حکمت کے ساتھ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا وہ آج بھی اسلام کا نصب العین لے کر اٹھنے والے کارکنوں کے لئے بہترین اسوہ ہے۔ (سیرت ابن ہشام جلد 1 ص 139۔ خلاصۃ الوفاء ص 61)

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک اپنے گھر والوں کی طرف سے نظر بندی کی تکلیف برداشت کرتے رہے۔ موقع پا کر ہی آپؓ نے حبشہ کی راہ اختیار کی۔ حبشہ سے واپسی پر ان پر اسلام اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور گہرا رنگ چڑھ چکا تھا۔

بیعت عقبہ اول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مدینہ کی درخواست پر اپنے عاشق صادق مصعبؓ کو اہل یثرب کی تعلیم وتربیت اور تبلیغ اسلام کی اشاعت کے لئے مدینہ میں سفیر اور معلم بنا کر بھیجا۔ آپؓ نے اسلام کی اشاعت کا فریضہ بڑی تندہی، صبر وتحمل اور حکمت سے انجام دیا اور اسلام کی بنیادیں مضبوط کیں۔ آپؓ ہی کی کاوشوں کے نتیجہ میں اگلے سال یعنی بیعت عقبہ ثانی کے موقع پر مدینہ کے تہتر (73) مردوں اور دو عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے جنگ بدر و اُحد میں بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان کو اپنے دست مبارک سے اسلام کا علم عطا فرمایا تھا۔ اس علم (جھنڈا) کی حفاظت کے لئے آپؓ نے اپنا آخری سانس تک قربان کر دیا۔ جب کچھ دیر کے لئے دشمن غالب آئے تو ان کے شہ سوار قمیہ لعین نے پرچم کو سرنگوں کرنے کی کوشش کی۔ اس نے حضرت مصعبؓ کے ہاتھ پر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ حضرت مصعبؓ نے فوراً جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور پکارا: ''یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول کے سوا کچھ اور نہیں ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ابن قمیہ لعین نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی کاٹ ڈالا، لیکن انہوں نے اپنے کٹے ہوئے دونوں ہاتھوں سے علم کو اپنے سینے سے لگا کر تھام لیا کہ جس پرچم کو ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا کیا تھا اس کو اپنی زندگی میں سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ دشمن اسلام نے تلوار پھینک کر نیزے کا ایسا وار کیا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینے میں رہ گئی۔علم کو فوراً ان کے بھائی ابوالرومؓ نے بڑھ کر تھام لیا اور حضرت مصعبؓ بن عمیر نے جام شہادت نوش کیا۔مصعبؓ بن عمیر شکل اور وضع قطع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ تھے۔(اس لئے کفار نے سمجھ لیا تھا نعوذ باللہ آنحضور شہادت پا گئے ہیں۔

(سیر الصحابہ، حصہ دوم ص 231)(طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص 85)

حضرت ابیؓ بن کعب انصاری......سید المسلمین

حضرت ابی بن کعب انصاری کا شمار تاریخ اسلام کی ان مہتم بالشان شخصیات میں ہوتا ہے جن کو دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہایت ممتاز درجہ حاصل تھا۔ ان کا شمار انصار کے تعلیم یافتہ لوگوں میں ہوتا تھا۔

مولانا سعید انصاری مرحوم نے سیر انصار میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ غالباً حضرت ابی بن کعب اسلام سے پہلے توریت پڑھ چکے تھے اور اسی کا اثر تھا کہ اسلام کی آواز نے انہیں بہت جلد اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ ان کو اسلامی امور کے علاوہ توریت اور انجیل پر بھی عبور حاصل تھا ان کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو بشارتیں مذکور ہیں وہ بڑے لطف وانبساط کے ساتھ لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔

حضرت ابیؓ کے سعادت اندوز اسلام ہونے کے بارے میں مشہور روایت یہ ہے کہ انہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں مکہ جا کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو انصار میں سے حضرت ابیؓ بن کعب کو سب سے پہلے وحی لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابی بن کعبؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ کلام الٰہی سے گہرا شغف تھا۔ چنانچہ وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گزارتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو قرآن سناتے اور حفظ کرواتے تھے اور کتابت وحی کی خدمت بھی لیتے تھے۔ اس طرح ان کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تقرب حاصل ہوگیا تھا۔ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند سال بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن میانہ قد اور اکہرے بدن کے ایک گورے چٹے پاکیزہ صورت آدمی بارگاہ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بڑے ادب سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھ کر ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفیض ہونے لگا۔ یکا یک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آثار وحی طاری ہوئے اور زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک آیت جاری ہوگئی، وہ صاحب وحی صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک لفظ سن کر لکھتے جاتے تھے جب جبرائیل امین پیغام وحی پہنچا کر واپس چلے گئے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو قرآن سنایا کروں (تاکہ تمہیں یاد ہو۔'' ان صاحب نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا اللہ تبارک تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں'' یہ سن کر وہ صاحب فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے اور بے اختیار رونے لگے۔

یہ صاحب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا خود رب ذوالجلال نے نام لے کر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ ان کو قرآن سنائیں وہ سید المسلمین ابی بن کعب انصاری تھے۔ ارشاد ربانی کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی کی تعلیم پر خاص توجہ دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قرآن کریم کے حافظ اور قرآنی علوم ومعارف کے بہت بڑے عالم بن گئے۔ ان کی قرأت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی پسند تھی کہ ایک دفعہ سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''کہ لوگوں میں سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔''

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابیؓ کے حفظ قرآن پر پورا اعتماد تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے ایک آیت پڑھنا بھول گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود اس آیت کا خیال آ گیا۔ صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ کسی نے میری قرأت پر خیال کیا تھا؟ تمام صحابہ کرامؓ خاموش رہے لیکن ابی بن کعبؓ نے فوراً عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فلاں آیت نہیں پڑھی، کیا یہ منسوخ ہوگئی ہے یا سہواً ترک ہوگئی۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں میں پڑھنا بھول گیا میں جانتا تھا کہ تمہارے سوا کسی کا دھیان اس طرف نہ گیا ہوگا۔'' (مسند احمد بن حنبلؒ)

حضرت ابی بن کعبؓ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وقف کر دیا تھا اللہ کے دین کی اشاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت ان کی زندگی کا اصل مقصد بن گیا تھا۔ قرآن سمجھنے اور حفظ وقرأت میں مہاجرین وانصار دونوں پر انہیں فوقیت حاصل تھی۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سحاب لطف وکرم حضرت ابیؓ پر ایسا جھوم جھوم کر برسا کہ وہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں مسند درس وافتاء پر فائز ہو گئے۔ لوگ ان سے قرآن پڑھتے

اور مختلف مسائل دریافت کرتے تھے۔ حضرت ابیؓ علم وفضل کا مجمع البحرین تھے۔ حضرت ابیؓ کی شخصیت علم وعمل دونوں کی جامع تھی۔

حضرت ابی بن کعبؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دل وجان سے فدا تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی حضرت ابیؓ کو چنداں گوارا نہ تھی۔ اکثر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گزرتا تھا۔ غزوات میں بھی ابیؓ نے نازک لمحات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بن کر حفاظت کی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے آپ کو قربان کر دینا چاہتے تھے۔

حضرت ابیؓ کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت اور عشق تھا۔ ہر ہر کام میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقدم جانتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کا ایک ایک لفظ غور سے سنتے تھے اور اُسے حرز جاں بنا لیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابیؓ کو ایک آیت کی قرأت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اختلاف پیدا ہوا، دونوں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، دونوں کی آیت سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو۔'' حضرت ابیؓ کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا اور حیران ہو کر عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دونوں کی قرأت ٹھیک ہے، کیسے ہوسکتا ہے؟'' کہنے کو تو یہ الفاظ کہہ دیئے لیکن رُعب نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسم پر کپکپی طاری کر دی اور پسینے میں نہا گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی حالت دیکھی تو ان کے سینے پر اپنا دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا: ''الٰہی! ابی کا شک دور کر دے، آناًفاناً ان کا دل وسوسے سے پاک ہو گیا اور انہیں پورا اطمینان ہو گیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعبؓ بارگاہ رسالت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ جو ہم بیمار ہوتے ہیں یا دوسری تکلیفیں اٹھاتے ہیں اس میں بھی کچھ ثواب ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں یہ بیماریاں اور تکلیفیں مسلمانوں کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔'' حضرت ابیؓ نے پوچھا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا معمولی تکلیفیں بھی گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہیں؟'' فرمایا! ''چھوٹی چھوٹی تکلیفیں کیا، مسلمان کو ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے۔''

یہ سنتے ہی جوش ایمان کی یہ کیفیت ہوئی کہ بے ساختہ زبان پر یہ دعا جاری ہوگئی، ''الٰہی! میں

ہمیشہ بخار میں مبتلا رہوں مگر نماز با جماعت، حج، عمرہ اور جہاد کے قابل رہوں۔'' یہ دعا فوراً درِ اجابت پر پہنچ گئی۔ (خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثار ص 445)

اہل سیر کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابیؓ کو ہر وقت خفیف حرارت رہتی تھی۔ حضرت ابی بن کعب کو قرأت قرآن میں ایسا ملکہ حاصل ہو گیا تھا کہ خود حامل وحی و نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے قرآن کا دورہ کیا کرتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ ''الاستیعاب'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے متعدد طریق سے یہ روایت ہم کو پہنچی ہے کہ عمر فاروقؓ نے فرمایا: ''ہم میں سے علم قضا کے سب سے بڑے ماہر علیؓ ابن ابی طالب اور حفظ قرآن میں سب سے بڑے ابیؓ بن کعب ہیں۔''

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابیؓ سے پوچھا کہ ''قرآن میں کون سی سورت سب سے بے انتہا عظمت والی ہے؟'' حضرت ابیؓ نے عرض کیا۔ ''آیت الکرسی'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا جواب سن کر بے حد مسرور ہوئے اور فرمایا: ''ابیؓ تمہیں یہ علم مسرور کرے۔'' (سیر الصحابہؓ جلد اول، حصہ چہارم، سیر انصارؓ ص 94) (خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثار ص 243)

حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازہ لگایئے کہ جب مدینہ منورہ میں مہاجرین وانصار سے تجارت کا بازار گرم رہتا تھا۔ حضرت ابی بن کعب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نبوت کے علمی جواہر سے اپنے علوم وفنون کی دکان سجاتے تھے۔ انصار میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ ستون حنانہ کو اپنے گھر میں بطور تبرک رکھ لیا تھا اور جب تک دیمک نے اسے چاٹ کر راکھ نہ کر دیا۔ حضرت ابیؓ نے اس کو گھر سے علیحدہ نہیں کیا۔

حضرت ابیؓ بن کعب نے ایک ایک حرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک سے سن کر یاد کر لیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے شوق کو دیکھ کر ان کی تعلیم کی طرف توجہ مبذول فرماتے تھے۔ حضرت ابیؓ جس قدر قرأت پڑھتے تھے گھر پر اس کو قلم بند کرتے جاتے تھے۔ یہی قرآن ہے جو فن تاریخ قرآن میں ''مصحف ابی'' کے نام سے مشہور ہے۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شوق جہاد، شغف قرآن وحدیث اور جذبہ اصلاح وتبلیغ اور فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے ان میں سے کسی باب پر بھی نظر ڈالیں ان کی شخصیت منارہ نور نظر آتی ہے۔

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ساقئ توحید کے صدائے عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کر لئے تھے لیکن تشنہ کامان حق دور دراز ممالک سے دشوار گزار منزلیں طے کر کے آتے تھے اور اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادہ اسلام کے ایک ہی جام سے سرشار ہو گئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ تجارت کے سلسلے میں مختلف ملکوں میں خوب گھومے پھرے تھے۔ نئے لوگوں سے میل جول اور مختلف مذاہب کے مشاہدہ سے ان کا ذہنی اُفق وسیع ہو گیا تھا۔

مکہ سے اٹھنے والی صدائے توحید ان کے کانوں تک پہنچی، تو بلا تامل اس پر لبیک کہا۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اپنے وطن یمن پہنچ کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ تھوڑے ہی عرصے میں بنو اشعر کی ایک معقول تعداد کو دائرہ اسلام میں لے آئے۔

قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ یہ اس قدر خوش گلو اور شیریں آواز تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے، ''کہ ان کو لحن داؤدی سے حصہ ملا ہے۔''

(ابن سعد جز 3 قسم اول)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا قرآن پڑھنا اتنا پسند تھا کہ جہاں ان کو قرأت کرتے ہوئے سنتے کھڑے ہو جاتے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کی پوری زندگی حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آئینہ تھی، وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی نقل و حرکت، قول و فعل بلکہ ہر ہر ادا ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ بن جائے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی حرص کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

''ابومجلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعریؓ مکہ سے مدینہ آ رہے تھے کہ راستہ میں عشاء کی نماز کا وقت آ گیا تو دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھڑے ہو کر سورہ النساء کی 100 آئتیں ایک رکعت میں پڑھیں تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو آپؓ نے فرمایا، میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ یہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدم رکھا ہے وہیں میں بھی قدم رکھوں اور جو کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے کیا ہے وہی میں کروں۔'' (مسند احمد بن حنبلؒ جلد چہارم)

کیا یہ محبت اور عشق کی انتہا نہیں ہے!!!

سنت سے لے کر مستحبات تک خود پابندی کرتے اور اپنے اہل وعیال سے بھی پابندی کرواتے۔ یہی پاس ولحاظ اور ادب زندگی کے آخری لمحہ تک رہا۔ مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اپنے وقت کا بیشتر حصہ فیضان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہرہ یاب ہونے میں گزارتے تھے اور کوشش کرتے سفر ہو یا حضر ہر وقت بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر رہیں خطرناک سے خطرناک موقعوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت وحفاظت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ ایک غزوہ میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے رات گزارنے کے لئے فوج نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن کا علاقہ تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے خیال سے نیند نہ آئی، اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ مبارک میں گئے، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ پایا تو بے چین و بے قرار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلے، راستے میں ایک اور صحابی ملے جو اسی نیت سے نکلے تھے، دونوں مل گئے اور آگے بڑھے، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لاتے ہوئے نظر آئے۔ ان دونوں نے عرض کیا: ''اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کی سرزمین میں ہیں، ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان، ہمیں ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کی فکر رہتی ہے۔ اس لئے جب کوئی ضرورت پیش آئے تو کسی کو حکم دے دیا کریں وہ ساتھ ہو جایا کرے گا۔''

(مسند احمد بن حنبلؒ جلد چہارم)

''طبقات ابن سعد'' میں یہ روایت نقل ہے کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعریؓ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے ان کی آواز سن کر ازواج مطہراتؓ اپنے اپنے حجروں کے پردوں کے پاس کھڑی ہو کر سننے لگیں۔ صبح کو کسی نے بتایا کہ اُمہات المومنینؓ آپؓ کی قرأت سن رہی تھیں تو بے ساختہ کہنے لگے اگر مجھ کو اس وقت علم ہو جاتا تو میں ان کو قرآن کریم کی قرأت سننے کا اس سے بھی زیادہ شائق بنا دیتا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی آواز میں بہت سوز اور اثر تھا۔

(طبقات ابن سعد قسم اول جز 4 ص 80)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی یہ کیفیت تھی کہ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل بھی کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی اتباع میں رمضان کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھا کرتے تھے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم سے ان کی عقیدت، محبت اور عشق کی کوئی حد و غایت نہیں تھی۔ وہ سالہا سال تک نبوت صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے چشمہ فیض سے براہ راست سیراب ہوتے رہے تھے۔ اس لئے ان کا پایہ علم و فضل اتنا بلند ہو گیا تھا کہ مرجع خلائق بن گئے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو دجانہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سماک بن خرشہ نام، ابو دجانہ کنیت تھی اور اسی نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ آمد سے قبل اسلام قبول کیا اور آمد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل و جان سے شیدائی وفدائی بن گئے اور سید الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاں نثاری اور رفاقت کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا۔

غزوہ بدر کے موقعہ پر ایک قوی ہیکل درندہ صفت کافر، کفار کی صفوں کو چیرتا ہوا، آنخضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہوا پکار رہا تھا،''اے گروہ قریش! اس شخص سے ہرگز ہاتھ نہ روکنا جو قاطع رحم اور قبیلوں میں پھوٹ ڈالنے والا ہے۔ آج میں اس کو (نعوذ باللہ) مار ڈالوں گا یا خود اپنی جان دے دوں گا۔''

پرستان حق اس پکار کو سن کر بے تاب و بے قرار ہو گئے۔ معاً حضرت ابو دجانہؓ سر پر سرخ کپڑے کی پٹی باندھے، تنتے اکڑتے صفوں کے درمیان سے نکلے۔ اگر چہ جسم و طاقت کے لحاظ سے کافر کے ساتھ آپؓ کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ تاہم عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار تھے۔ اسی نشہ میں آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں اُس گستاخ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واصل جہنم کر دیا۔ اللہ! اللہ! عشق بھی کیا چیز ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے   عشق بے چارہ، نہ ملا ہے، نہ زاہد، نہ حکیم

(اسدالغابہ جلد 5 ص 184)

غزوہ اُحد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تلوار اپنے دست مبارک سے ابو دجانہؓ کے حوالے کی اور فرمایا:''اس کا حق ادا کرو۔'' اس شیدائی وفدائی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی پامردی، ہمت اور بہادری سے جنگ لڑی، بڑے بڑے کافر سورماؤں کو قتل کیا۔

جنگ اُحد میں جب ایک اتفاقی غلطی سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور کفار (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے درپے تھے تو حضرت ابو دجانہ انصاریؓ ان چند عشاق رسول صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم میں سے تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے میں لے لیا اور کفار کے تابڑ توڑ حملوں کو اپنے جسم پر جھیلا۔ حضرت ابودجانہ انصاریؓ زخم پر زخم کھائے جاتے لیکن کسی مشرک کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ جب مشرک پسپا ہو گئے تو ابودجانہؓ کی یہ حالت تھی کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو مجروح وزخمی نہ ہوا ہو۔

غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کو ممتاز درجہ حاصل ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی شجاعت واستقامت اور جاں بازی سے بہت مسرور ہوئے اور فرمایا: ''ابودجانہؓ! خوب لڑے ہو۔'' (زادالمعاد)

غزوہ اُحد کے علاوہ دوسرے تمام غزوات میں بھی حضرت ابودجانہ انصاریؓ نے بے مثال جرأت وبہادری سے سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاں نثاری کا حق ادا کیا، یہ سب عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال تھا۔ ان کی حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ اُحد میں ظاہر ہوتی ہے جب تمام مجمع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے منتشر ہو گیا اور صرف چند آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہ گئے ان میں سے دو آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپر بنے ہوئے تھے (ڈھال) مصعبؓ بن عمیر اور ابودجانہؓ اول الذکر جان دے کر ہٹے اور ابودجانہؓ نے کاری زخم کھا کر فدائیت ومحبت کا بے مثال ثبوت دیا۔

ایک روایت میں ہے حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ یوم اُحد میں، میں بالکل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے کھڑا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کو اپنے چہرہ کے ذریعے بچاتا تھا اور ابودجانہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک کو اپنی پشت سے بچا رہے تھے اور ان کی پشت تیروں سے بھر گئی تھی اور وہ گر پڑے۔ وہ دشمن کے تیروں کی طرف اپنی پشت کر کے اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ کوئی تیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا دے۔ یہاں تک کہ ان کی کمر چھلنی ہو جاتی ہے۔ (اسدالغابہ جلد 2 ص 352) (سیر انصارؓ حصہ چہارم ص 138)

''اسدالغابہ'' میں ہے کہ ابودجانہؓ لڑائی کے وقت سرخ پٹی باندھتے تھے اور ناز وتنتنے سے اکڑ کر چلتے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت انسؓ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس سال پیشتر شہر یثرب میں پیدا ہوئے۔ آٹھ نو سال کا سن تھا کہ ان کی ماں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کے والد بت پرست تھے۔ بیوی کے اسلام لانے پر برہم ہو کر شام چلے گئے۔ اُدھر اُم سلیمؓ نے حضرت ابوطلحہؓ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ بھی مذہب اسلام قبول کریں۔ وہ مسلمان ہو چکے تھے اس طرح حضرت انسؓ کا پورا گھر نورِ ایمان سے منور تھا۔ ان کی جنتی ماں (اُم سلیمؓ) شمع اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پروانہ تھیں اور ان کے محترم باپ حضرت ابوطلحہؓ دین حنیف کے ایک پُر جوش فدائی تھے۔ انہوں نے والدین کی آغوش میں پرورش پائی اور مسلمان ہوئے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 3 ص 222)

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں اقامت فرمائی تو حضرت ابوطلحہؓ حضرت انسؓ کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ انسؓ کو اپنی غلامی میں لے لیجئے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منظور فرمایا اور حضرت انسؓ خادمان خاص میں داخل ہو گئے۔ حضرت انسؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک اپنے فرض کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، وہ کم و بیش دس برس حامل نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتے رہے اور ہمیشہ اس شرف پر انہیں ناز رہا۔ حضرت انسؓ ہمیشہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ سفر و حضر، جلوت و خلوت کیا، ان کے لئے کوئی تخصیص نہ تھی۔ نزول حجاب سے پہلے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں آزادی کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ حضرت انسؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام کام نہایت مستعدی و تندہی سے بجالاتے تھے اور اپنی فرمانبرداری اور محبت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش رکھتے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے دس سال سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، اس مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی خفا نہ ہوئے، نہ کسی کام کی نسبت یہ فرمایا کہ اب تک کیوں نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے خاص محبت ہو گئی تھی۔

بارگاہ اقدس صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم میں حضرت انسؓ کو خاص قرب واختصاص تھا۔ یہی جوش محبت تھا جس نے میدان جنگ میں بھی آقا صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم سے الگ نہ ہونے دیا۔غزوہ بدر میں بارہ برس کے تھے لیکن مجاہدین بدر کے پہلو بہ پہلو میدان جنگ میں موجود تھے اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی خدمت گزاری کا فرض بجالا رہے تھے۔(مسند احمد جلد 3 ص 232)

حضرت انسؓ کے گلدستہ اخلاق میں چار پھول ایسے لطیف وشگفتہ ہیں جن پر گلدستہ کی خوب صورتی کا تمام تر انصار ہے۔ حب رسول صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم، اتباع سنت، امر بالمعروف اور حق گوئی یہ حضرت انسؓ کے خاص اوصاف ہیں۔

جس زمانہ میں وہ دس سال کے نابالغ اور ناسمجھ بچے تھے تو جوش محبت کا یہ عالم تھا کہ صبح اُٹھ کر کاشانہ نبوت صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی زیارت بابرکت سے مشرف ہوئے۔صبح کاذب کی تاریکی میں اُم سلیمؓ کا کم سن بچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کا سامان وضومہیا کرنے کے لئے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کا راستہ لیتا تھا، ایام شباب میں ان کی محبت ووابستگی کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ شمع نبوت صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم پر پروانہ وار شیفتہ تھے۔ سرور کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی ایک نگاہ کرم حضرت انسؓ کے لئے باعث صد طمانیت وتسلی تھی اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی ایک آواز ان کے قالب عقیدت میں نئی روح پھونکنے کا باعث بن جاتی تھی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے وصال کے بعد اگرچہ ظاہری آنکھیں دیدار محبوب صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کو دیکھنے کو ترس گئی تھیں، لیکن کشتۂ عشق نبوت صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم اکثر خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا تھا۔ وہ محبوب عالم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کا ذکر کرتے تھے اور فرط محبت سے بے قرار ہو جاتے تھے۔

ایک دن حلیہ مبارک بیان کر رہے تھے آپؐ کا ایک ایک خال وخط زبان مدح میں نبات محبت گھول رہا تھا۔ حضرت انسؓ کی ہر مجلس آنخضرت صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے ذکر خیر سے لبریز ہوتی تھی۔ وہ عہد نبوت صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے واقعات اور ایام سعید اپنے تلامذہ کے گوش گزار کیا کرتے تھے۔ اثنائے ذکر میں دل میں ایک ٹیس اُٹھتی جس سے حضرت انسؓ بے چین ہو جاتے تھے لیکن یہ وہ درد تھا جس کا علاج طبیبوں کے بس سے باہر تھا۔ حضرت انسؓ کا جوش محبت اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ اس سے تمام مجلس متاثر تھی۔ ان کے شاگردوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم سے جو خاص محبت ہوگئی

تھی وہ حضرت انسؓ ہی کے ولولہ محبت کا کرشمہ تھا وہ بالکل اپنے استاد کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ہمیشہ عہد نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سوال کیا کرتے تھے۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اتباع سنت کا درجہ ہے۔ محبّ صادق کی یہ شناخت ہے جو چیز اس کے محبوب کے مرغوب خاطر ہو خود بھی اس کو پسند کرے۔ حضرت انسؓ کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے جو عشق تھا اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کی پورے طور پر تقلید کریں۔

حضرت انسؓ ہر کام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال واقوال کی پوری طرح پیروی کرتے تھے۔ اسلام کا سب سے بڑا رکن کلمہ توحید کے بعد نماز ہے۔ نبی طیب وطاہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس خضوع وخشوع اور جس آداب کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے، متعدد صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے ملتی جلتی نماز پڑھتے تھے لیکن حضرت انسؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز وطریقہ سے جو مشابہت اختیار کی تھی وہ ایک چراغ ہدایت تھا جو نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک سے حضرت انسؓ کے قلب مصفاء میں روشن ہوا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت انسؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ میں نے ابن ام سلیمؓ یعنی حضرت انسؓ سے بڑھ کر کسی کو سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (مسند احمد جلد 3 ص 159)

نماز کے ماسوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول وفعل صحابہ کرامؓ کی نگاہ میں تھا۔ حضرت انسؓ نے دس سال ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہ کر خدمت انجام دی تھی، ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عمل ایسا نہ تھا جو آپؐ سے مخفی رہ سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے حضرت انسؓ اس کو اپنے حافظے کے سپرد کر دیتے، جب اس قسم کی کوئی صورت پیش آتی تو قوت حافظہ سے اپنی امانت طلب کرتے اور اس پر اس کو منطبق کرتے تھے۔

آنحضرت کی حیات طیبہ کا ہر نقش حضرت انسؓ کے لئے چراغ ہدایت تھا۔ فرائض سے اتر کر واجبات وسنن تک میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ پیش نظر رہتا تھا۔ حضرت انسؓ کے بچپن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر لڑکوں پر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو السلام علیکم

فرمایا تھا۔اس لئے حضرت انسؓ ضعف پیر میں بھی بچوں سے سلام میں سبقت کرتے تھے۔

(سیر انصارؓ حصہ اول، سیر الصحابہ، حصہ چہارم ص92)

حضرت انسؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زمانہ دراز تک بقید حیات رہے۔ بڑے بڑے جبار وقہار امراء سے ان کو سابقہ پڑا جو بالا یمان احکام شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ حضرت انسؓ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پامال دیکھ کرآپے سے باہر ہو جاتے تھے اور مجمع عام میں ایسے امراء کو تنبیہ کرتے تھے اور کسی بھی موقع پر تعلیم دین اور تبلیغ سنت سے غافل نہ رہتے تھے۔

رخصت محبوب کا قصہ فنا ہوتا اگر
جوش اُلفت بھی دل عاشق سے کر جاتا سفر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوطلحہؓ بن براء انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلوع ہوا۔ حضرت ابوطلحہؓ کے شباب کا آغاز تھا، بمشکل بیس سال عمر ہوگی۔ حضرت ابوطلحہؓ نے اُم سلیمؓ (حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ) کو نکاح کا پیغام دیا اور انہوں نے اسلام کی شرط کے ساتھ نکاح کو وابستہ کر دیا، جس کا آخری اثر یہ مرتب ہوا کہ حضرت طلحہؓ نے دین حنیف قبول کرلیا۔

غزوہ بدر اسلام کی تاریخ میں پہلا غزوہ ہے اور حضرت طلحہؓ نے اس میں کافی حصہ لیا تھا۔ بدر کے بعد غزوہ احد واقع ہوا، جو حضرت طلحہؓ کی جاں نثاری و جاں بازی کی خاص یادگار ہے۔ معرکہ اس شدت کا تھا کہ بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ڈھال آڑ کئے سینہ تانے کھڑے تھے کہ جو تیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آئے اس کی آماجگاہ خود بنیں اور نہایت جوش سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ (ترجمہ) ''میری جان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان اور میرا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ کی سپر ہو۔''

(بخاری۔ مسند حضرت انسؓ بن مالک)

تیر دان سے تیر نکال کر ایسا جوڑ کر مارتے کہ مشرکوں کے جسم میں پیوست ہو جاتا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھنے کے لئے سر اٹھاتے تو حضرت ابوطلحہؓ حفاظت کے لئے سامنے آجاتے اور فرماتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلے سے پہلے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جاں نثاری اور سرفروشی سے خوش ہو کر فرماتے: ''فوج میں ابوطلحہؓ کی آواز سو آدمیوں سے بہتر ہے۔'' (بخاری کتاب المغازی۔ مسند احمد) وہ بڑے تیر انداز تھے۔ انہوں نے اُحد میں نہایت پامردی سے مشرکین کا مقابلہ کیا۔ اس دن ان کے سامنے دو قسم کے خطرے تھے، ایک مسلمانوں کی شکست کا خیال، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا مسئلہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بہت سے صحابہ کرامؓ نے مدینہ کی سکونت

ترک کردی اور شام چلے گئے۔ حضرت ابوطلحہؓ بھی ان غم زدوں میں شامل تھے لیکن جب زیادہ پریشانی بڑھتی تو آستانہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ کرتے اور مہینوں کا سفر طے کر کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار پر حاضر ہوتے اور تسلی کا سرمایہ حاصل کرتے۔

حضرت ابوطلحہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو محبت تھی اس کا اثر چھوٹی چھوٹی چیز میں بھی ظاہر ہوتا تھا جب ان کے گھر میں کوئی چیز آتی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور بھیج دیتے۔ ایک دفعہ حضرت انسؓ ایک خرگوش پکڑ لائے، حضرت ابوطلحہؓ نے اسے ذبح کیا اور ایک ران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حقیر لیکن پرخلوص نذر قبول کر لی۔ (مسند احمد جلد 3 ص 171)

اسی طرح ایک مرتبہ مدینہ میں دشمنوں کا کچھ خوف محسوس ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوطلحہؓ کا گھوڑا لے کر جس طرف اندیشہ تھا روانہ ہوئے، حضرت ابوطلحہؓ پیچھے پیچھے چلے لیکن ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، راستہ میں ملاقات ہوگئی، فرمایا: وہاں کچھ نہیں تمہارا گھوڑا تیز رفتار ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص خصوصیت تھی، وہ عموماً تمام معرکوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ کے برابر چلتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؓ کے خلوص اور محبت کی بہت قدر کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لئے تشریف لے گئے اور منیٰ میں حلق کرایا تو سر مبارک کے دائیں طرف کے بال اور لوگوں میں تقسیم ہو گئے اور بائیں طرف کے کل موئے مبارک حضرت طلحہؓ کو مرحمت فرمائے۔ حضرت طلحہؓ اس قدر خوش ہوئے کہ گویا دونوں جہانوں کا خزانہ ہاتھ آ گیا ہو۔

(صحیح بخاری غزوہ اُحد، کتاب المغازی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے لئے روانہ ہونے کی اطلاع مدینہ پہلے ہی پہنچ چکی تھی، لوگ شوق واشتیاق میں روزانہ گھروں سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرتے تھے۔ حضرت طلحہؓ بن براء بھی ایسے ہی مشتاقوں میں سے تھے۔ اس وقت یہ بالکل نوجوان ہی تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جا کر ہاتھ پاؤں چوم کر کہا، ''میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حکم دیں گے اس کی تعمیل میں میری طرف سے کوتاہی نہ ہوگی۔''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نوجوان کی بات پر حیرت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہؓ سے ہنس کر فرمایا: ''جاؤ اپنے باپ کو قتل کر کے آؤ۔'' طلحہؓ فوراً اٹھے اور چل دیئے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپس بلا کر پوچھا: ''کہاں جاتے ہو؟'' عرض کی۔ ''براء بن عمیر کا قتل کرنے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنی بات کے سچے ہو لیکن میں قطع رحم کے لئے نبی نہیں بنایا گیا ہوں۔'' (ابوداؤد، کتاب الرجال)

ایک مرتبہ ایک شخص آیا، اس کے قیام کا کوئی سامان نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اس کو جو اپنے ہاں رکھے گا اس پر خدا رحم کرے گا۔''

حضرت ابوطلحہؓ نے اُٹھ کر کہا، میں لئے جاتا ہوں، گھر میں کھانے کو نہ تھا صرف بچوں کے لئے کھانا تھا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے بیوی سے کہا بچوں کو کسی طرح سلا دو اور مہمان کے پاس بیٹھ کر چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے گل کر دینا اس طور مہمان کھانا کھالے گا۔ ہم بھی فرضی طور پر منہ چلاتے رہیں گے۔ غرض اس طرح مہمان کو کھانا کھلا کر تمام گھر فاقے سے پڑا رہا۔

صبح کو جب حضرت ابوطلحہؓ بن براء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شان میں یہ آیت پڑھی جو اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔

''ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة. (الحشر:9)''

اور حضرت ابوطلحہؓ سے فرمایا: رات تمہارے کام سے خدا تعالیٰ کو بہت تعجب ہوا۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عظیم جذبے کو پسند فرمایا۔ (صحیح مسلم جلد دوم)

اللہ اکبر! یہ ہے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہ ہیں میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے صحابہ کرامؓ کے لاثانی شاہکار۔

''نرالا عشق ہے میرا، نرالے میرے نالے ہیں۔''

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سلمان فارسیؓ کا مجوسی نام ''مابہ'' تھا۔ والد آتش پرست تھے۔ آتش پرست مابہ جب حلقہ بگوش اسلام ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کا نام ''سلمان'' رکھا۔ نیکی اور خیر کے کاموں میں سلمانؓ کا شوق وانہاک اس قدر زیادہ تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''سلمان الخیر'' کا لقب مرحمت ہوا۔

اسلام کا یہ دلدادہ آتش پرستی سے دین حق تک کیسے پہنچا، یہ ایک سبق آموز اور دلچسپ داستاں ہے(مختصراً درج ہے)

حضرت سلمانؓ کے والد مجوسیوں کے بہت بڑے قائد تھے۔ سلمانؓ کی مذہب دوستی کی وجہ سے ان کا باپ آپؓ سے بہت محبت کرتا تھا۔ سلمانؓ مذہبی رسوم اور اہرمن یزداں کی عبادت میں اس جذب وشوق سے منہمک ہوئے کہ انہیں آتش پرستوں کا ایک مثالی عبادت گزار سمجھا جانے لگا۔

کسی کو معلوم نہ تھا کہ قدرت نے انہیں خلوص وایثار کی جوگراں مایہ دولت ودیعت کر رکھی تھی اس کو بالآخر اسلام کی خدمت کے لئے وقف کیا جانا تھا۔ اسلام کی طرف ان کا سفر بڑا کٹھن اور پُر صعوبت تھا لیکن آفرین ہے اس مردِ قلندر کی بلند نظری پر جس نے راستے میں کھڑے ہوئے رکاوٹوں کے پہاڑ پاؤں کی ٹھوکروں سے پاش پاش کر دیئے اور منزل مقصود سے بغل گیر ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

ایک دن ہوا یوں کہ اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال کے لئے جا رہے تھے۔ راستے میں کچھ لوگ جمع تھے، گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ سلمانؓ نے ایک شخص سے پوچھا، یہاں کیا ہو رہا ہے؟ جواب ملا یہ گرجا گھر ہے یہاں خدائے یسوع مسیح کی عبادت کی جا رہی ہے آپؓ گرجا گھر کے اندر گئے، پادری کا درس سنا، عبادت ودعا کا منظر دیکھا تو دل میں سوچا یہ مذہب آتش پرستی سے بہتر ہے۔ پادری سے مذہب کے مرکز کے بارے میں پوچھا، اُس نے بتایا شام میں ہے۔ باپ کو پتہ چلا بیٹا آبائی مذہب کو چھوڑ کر عیسائی ہونے جا رہا ہے۔ سلمانؓ کو گھر میں قید کر دیا تا کہ کسی سے ملاقات نہ ہو سکے۔ آپؓ کسی نہ کسی

طرح گھر سے نکل کر شام جا پہنچے۔ وہاں کے بشپ سے مل کر ساری کہانی سنائی اور عیسائیت اختیار کر لی اور عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنے لگے، جلد ہی سلمانؓ کو معلوم ہو گیا کہ بشپ فاسق اور بد کردار آدمی ہے، اتفاق سے بشپ چند روز بیمار رہ کر مر گیا۔ نیا بشپ عابد و زاہد آدمی تھا کچھ عرصہ بعد اس کا بھی آخری وقت آ گیا۔ سلمانؓ نے کہا، میں نے آپ سے بہت کچھ حاصل کیا ہے لیکن مجھے مزید اور بہت کچھ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ بشپ نے کہا، مصنوعی عیسائیوں سے دنیا بھری پڑی ہے میری وصیت ہے تم موصل کے فلاں پادری کے پاس جاؤ۔

موصل کا سفر:

موصل کا سفر محبت اور شوق سے طے کرتے ہوئے حق کا متلاشی منزل پر پہنچ گیا۔ یہ پادری بھی بڑا پاک باز اور صاحب کردار تھا لیکن قدرت شائد تلاش حق میں کچھ نئی منزلوں تک لے جانا چاہتی تھی۔ اتفاق سے چند دنوں بعد ہی یہ پادری بھی دنیا سے رخصت ہو گیا، پادری کی آخری وصیت کے مطابق نصیبن کے پادری کے سامنے جا کر زانوئے تلمذ طے کروں۔

نصیبن کا سفر:

نصیبن کا رُخ کیا وہاں کے پادری کے پاس پہنچ کر اپنا مدعا بیان کیا یہ بھی پہلے دو پادریوں کی طرح عابد و زاہد تھا۔ ابھی کچھ ہی دن اُس کی صحبت سے فیض اُٹھایا تھا کہ اُس کا بھی وقت آخر آ گیا۔ گزشتہ پادریوں کی طرح اُس سے بھی آئندہ کے بارے مشورہ طلب کیا۔ اُس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ دیا۔

عموریہ کا سفر:

سلمان فارسیؓ نے اب عموریہ کا رخ کیا، وہاں کے پادری سے مل کر پیام سنایا اور اُس کے پاس مقیم ہو گئے، کچھ بکریاں اور گھاس خرید لیں، ان سے مادی غذا حاصل کرتے تھے۔ دن کا اکثر حصہ بکریاں چرانے میں گزر جاتا تھا۔ صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا حاصل کرنے لگے جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا، تو سلمانؓ نے اپنی پچھلی سرگزشت سنائی کہ اتنے مراحل طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں۔ اُس پادری نے کہا آج دنیا میں دین مسیح کے

سچے پیروکار اُٹھتے جا رہے ہیں، اب تم انتظار کرو، البتہ اب اس نبیؐ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو ریگستانِ عرب سے اُٹھ کر دین ابراہیم علیہ السلام کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اس کی نشانیاں یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا لیکن صدقہ کو اپنے لئے حرام سمجھے گا، اُس کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی اگر تم ان سے مل سکو تو خوش قسمت ہوگے اس پادری نے صحیح رہنمائی کی راہ دکھائی۔

اب مدینہ کا سفر شروع ہوتا ہے۔ اُس پادری کے مرنے کے کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجروں کا قافلہ ادھر سے گزرا۔ سلمانؓ نے ان سے کہا، میری سب گائیں بکریاں لے لو اور مجھے حجاز کی سرزمین تک پہنچا دو، انہوں نے یہ سودا منظور کر لیا۔ قافلہ والوں نے وادی القریٰ پہنچ کر بدعہدی کی اور ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یوں حق کی تلاش میں نکلنے والا یہ آزاد نوجوان غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ یہودی کا چچازاد ایک دن مدینے سے آیا اور نئے غلام کو خرید کر لے گیا۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

جوں جوں محبوب کی منزل قریب آتی جاتی تھی، کشش و محبت بڑھتی جاتی تھی۔ اُس وقت آفتاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پر تو افگن ہو چکا تھا لیکن جور و ستم کے بادلوں میں چھپا تھا۔ آخر انتظار کرتے کرتے وہ روزِ مسعود بھی آ گیا جب مکہ کا آفتاب عالم تاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے اُفق پر طلوع ہوا۔ حرماں نصیب سلمانؓ کی شب ہجر تمام ہوئی یعنی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ ایک دن سلمانؓ کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے۔ یہودی آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا اتنے میں اس کا چچازاد بھائی ذکر کہنے لگا، اہل مدینہ کا بُرا ہو، قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں۔ سلمانؓ کے کانوں میں اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے صبر باقی نہ رہا، صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہوگئی، مدہوشی میں جلد سے جلد درخت سے نیچے اُترے، بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے تم کیا کہتے ہو؟ آقا نے ایک گھونسہ رسید کیا اور ڈانٹ کر کہا جا کر اپنا کام کرو۔ لیکن اب صبر کسے تھا، کام کاج سے فارغ ہو کر کچھ کھجوریں لے کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے اور کہا یہ صدقہ کی کھجوریں ہیں انہیں قبول کر لیجئے، میں نے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اہل حاجت

اور غریب الدیار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کھجوریں لے کر حاضرین میں تقسیم کر دیں اور خود نوش نہیں فرمائیں۔ اس طرح سے سلمانؓ کو نبوت کی ایک نشانی مل گئی اور مشاہدہ ہو گیا۔

دوسرے دن پھر حاضر ہوئے اور عرض کی کل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ کی کھجوریں نہیں کھائیں تھی آج یہ ہدیہ قبول فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدیہ قبول فرما کر خود بھی نوش فرمائیں اور حاضرین کو بھی کھلائیں۔ اس طرح سے نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری نشانی بھی معلوم ہوگئی۔ اب مہر نبوت دیکھنا باقی تھی سو وہ بھی کسی طرح دیکھ لی اور مہر نبوت پر بھوسہ دینے کے لئے جھکے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ''سلمانؓ! میرے سامنے آؤ۔'' سلمانؓ نے سامنے آ کر تلاش حق میں اپنے ہر سفر کی روئیداد اور ساری داستاں سنادی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ داستاں اتنی پسند آئی کہ اپنے تمام اصحابؓ کو سنوائی۔ اس طرح حضرت سلمانؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی اسی سے ہوگی تیرے غم کدہ کی آبادی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر کے اور اسلام قبول کر کے حضرت سلمانؓ کو دلی سکون واطمینان حاصل ہوا۔ کیونکہ جس حق کی تلاش تھی وہ اب مل گیا تھا اتنے صبر آزما مراحل طے کرنے کے بعد وہ دین حق سے ہم آغوش ہوئے تھے۔ اپنا گوہر مقصود پا لینے کے بعد اس دولت کو دل کے خزانے میں رکھ کر پھر یہودی آقا کے گھر واپس آ گئے۔ غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے۔ اسی لئے غزوہ بدر واُحد میں بھی شریک نہ ہو سکے تھے۔ اس لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آپ آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو۔ تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہو گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا، سب اپنے بھائی کی مدد کرو، سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے۔ اس طرح تین سو درختوں کی شرط پوری ہوگئی اب سونے کی ادائیگی باقی رہ گئی۔ اس کا بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوبست کر دیا۔ کسی غزوہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرغی کے انڈے برابر سونا مل گیا وزن کیا تو وہ پورے چالیس اوقیہ کا نکلا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ٹکڑا سلمانؓ کو دے دیا کہ اسے ادا کر کے آزادی کا پروانہ حاصل کر لو۔ اس طرح اُن

کی غلامی کی بیڑیاں کٹ گئیں اور وہ پھر آزاد ہو گئے۔

اب اُن کا اوڑھنا بچھونا ہی اسلام تھا۔ دن کا بڑا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گزرتا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ صحابہ کرامؓ کے اس مخصوص زمرے میں تھے جن کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خاص تقرب حاصل تھا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سلمانؓ کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم (ازواجؓ) کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہماری باری کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے۔ عشاء کی نماز کے بعد تمام صحابہ کرامؓ رخصت ہو جاتے تو سلمانؓ اس کے بعد بھی بہت دیر تک خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر رہتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ سلمان فارسیؓ نے اوّل بھی قرآن سیکھا اور آخر بھی علم سیکھا اور وہ ہم اہل بیت میں سے ہیں۔

(ابن سعد جزو 2 قسم 1 ص 61) (سیر المہاجرینؓ حصہ سوم ص 66)

انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے علی کرم اللہ وجہہ۔ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(جامع ترمذی)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں جب یمن سے مدینہ آیا تو عرصہ دراز تک سلمان فارسیؓ کو خانوادہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرد سمجھتا رہا، کیونکہ سلمانؓ اکثر بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں حاضر رہا کرتے تھے۔ اب جبکہ سلمانؓ نے اسلام کی شمع فروزاں کو پالیا تھا اور دنیا کے سب سے بڑے رہنما صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت انہیں میسر آ گئی تھی تو بھلا وہ اپنی تشنگی کیوں نہ بجھاتے وہ دن رات سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس و بابرکت محفل میں حاضر رہتے اور سنہری اقوال سے اپنا دامن بھرتے رہتے تھے۔

حضرت سلمانؓ علم وعرفان کے سچے طالب تھے۔ ان کے دل کی گہرائیوں میں صداقت و حقیقت کو پالینے کا جذبہ موجزن تھا۔ اپنی پوری جوانی سچائی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ ہزاروں میل کا سفر طے کیا، غلامی کی سختیاں برداشت کیں تا کہ نور مبین ان کے سینے کو منور کر سکے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سلمانؓ کی بڑی قدر کرتے تھے چونکہ سلمانؓ نے اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔عرب میں ان کے خاندان کا کوئی دوسرا آدمی نہ تھا۔اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم با کمال لطف وکرم فرمایا کرتے تھے۔''سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔''

حضرت سلمان فارسیؓ کی حق پرستی کی سب سے بلند مثال یہ ہے کہ مدینہ کے اکثر لوگ ان کے نام ونسب کے بارے سوال کرتے تو جواب دیتے،''اسلام بن اسلام بن اسلام سبعین مرۃ یعنی ستر (70) مرتبہ اسلام کہتے چلے جایئے بس یہی میرا شجرہ نسب ہے۔(سید المرسلین)

جب سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے ان کی فقیری وانکساری کا اس وقت بھی یہ حال تھا کہ جب ان کے کل اسباب کا جائزہ لیا گیا تو اس میں ایک پیالہ،ایک تسلہ،ایک توا،ایک کمبل اور اسی طرح کی چند اور چیزیں تھیں،پوری تنخواہ غرباء ومساکین میں تقسیم کر دیتے تھے۔انہوں نے زندگی بھر مکان نہیں بنایا تھا۔ایک چٹائی کا بچھونا اور اینٹ کا تکیہ استعمال کرتے تھے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ''میرے پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے انسان کا ساز وسامان ایک مسافر سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔''اُن کے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا پھر بھی کہتے تھے میرا یہ حال ہے کہ دولت میرے پاس جمع ہو گئی ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں بیمار پڑ گئے۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عیادت کو گئے،دیکھا سلمانؓ بہت بے چین ہیں اور زار وقطار رو رہے ہیں۔حضرت سعدؓ نے تسلی دیتے ہوئے کہا،''یا ابا عبداللہؓ! رونے کی کیا بات ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے خوش و راضی رخصت ہوئے ہیں،جنت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔یہ موقع تو خوش ہونے کا ہے۔

حضرت سلمانؓ نے فرمایا،''اے سعدؓ! خدا کی قسم نہ تو مجھے دنیا کی زندگی کی طلب ہے نہ ہی موت سے گھبراتا ہوں،ڈر ہے تو صرف اور صرف یہ کہ میرے جان سے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ دنیا جمع نہ کروں گا مگر افسوس میں نے اپنے نفس کی خاطر اتنا اسباب جمع کر لیا ہے اب ڈر ہے کہ کہیں آقا کے جمال سے محروم نہ رہ جاؤں۔''(طبقات ابن سعد)

اسلام لانے کے بعد سلمانؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل و جان سے گرویدہ ہو گئے

تھے۔انصار و مہاجرین دونوں سلمانؓ سے بے حد محبت کرتے تھے۔انصاریوں نے کہنا شروع کیا کہ سلمانؓ منا یعنی سلمانؓ ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے بھی یہی کہا کہ سلمانؓ منا یعنی سلمانؓ ہم میں سے ہیں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان پر بڑا اکرم عظیم تھا جب انصار و مہاجرین کا نعرہ سنا تو ارشاد فرمایا: ''**سلمان منا اهل البیت** یعنی سلمانؓ ہم میں سے ہیں یہ فرما کر ان کو اپنے اہل بیت میں شامل فرمالیا۔'' (ترمذی۔مناقب سلمان فارسیؓ واکمال۔حاشیہ کنز العمال جلد 16،اسد الغابہ جلد 2)

وہ گوہر مقصود کہ تھی جس کی تمنا
جھولی میں ڈال دیا تیرے دست عطا نے
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں دعوت اسلام فرما رہے تھے۔ اُس زمانے میں عمرو بن طفیل دوسی کا مکہ آنا ہوا۔ طفیل ایک اچھے شاعر اور صاحب شعور انسان تھے۔ اُن کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی جو یمن کے ایک حصہ پر تھی لیکن یہ ایک آزاد اور خودمختار رئیس تھے۔

جب عمرہ کے لئے مکہ پہنچے تو قریش کے وہ اشخاص جو لوگوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے سے روکتے تھے ان کے پاس بھی پہنچے اور کہا تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو اس لئے از راہ خیر خواہی تم کو آگاہ کئے دیتے ہیں کہ ہمارے قبیلے میں ایک جادوگر پیدا ہو گیا ہے اس نے ہمارے قبیلے میں پھوٹ ڈال کر ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ معلوم نہیں اس کی زبان میں کیا سحر ہے جس کے زور سے بیٹے کو باپ سے، بھائی کو بھائی سے، بیوی کو شوہر سے چھڑا دیتا ہے جو اس سے بات کر لیتا ہے وہ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر اس کا دین قبول کر لیتا ہے۔ اس کا نام محمد بن عبداللہ ہے۔ ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم اس سے نہ ملو۔ نہ ان کی بات سنو۔ طفیل دوسی نے اس خیال سے کہ مبادا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کانوں میں پڑ جائے ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بچنے کے لئے کانوں میں روئی رکھ لی۔

اتفاق سے اسی حالت میں ایک دن خانہ کعبہ گئے، دیکھا ایک شخص صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی رکوع، کبھی سجدہ کرتا ہے، کبھی کھڑے ہو کر، کبھی بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگتا ہے۔ اس طرز کی عبادت دیکھ کر طفیل دوسی کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ میں اچھے برے کی تمیز رکھتا ہوں، باشعور ہوں پھر یہ کیا حماقت ہے کانوں میں روئی لگا کر بات سننے سے بچ رہے ہو، تمہیں اس شخص کی بات سننی چاہئے اگر قابل قبول ہو تو ماننی چاہئے نہیں تو ردّ کر دینی چاہئے۔

اس طرح دل کو تسلی دے کر کانوں سے روئی نکال کر پھینک دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جا بیٹھے اور پوری غور سے آیات قرآنی سنیں، جن کا ترجمہ یہ ہے: ”تعریف کے قابل ہے وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اسی نے نور اور تاریکیوں کو پیدا کیا پھر بھی کافر لوگ اس اللہ کو

اپنے بنائے ہوئے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اللہ تو وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ایک وقت معین کیا، دوسرے معین وقت کو صرف اللہ ہی جانتا ہے پھر بھی تم شک کرتے ہو، وہی ہے معبود برحق جو تمہارے ظاہر و پوشیدہ تمام اعمال کو جانتا ہے، جو تم کرتے ہو۔''

اس کلام کو سن کر عمرو بن طفیل دوسی فوراً پکار اٹھے، ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت و محبت میں جو الفاظ کہے اس سے ان کے عشق و عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں پر بہت ظلم و ستم ڈھاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں دیتی ہے، جادوگر، کاہن، مجنوں اور ساحر جیسے الفاظ سے یاد کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں پر مکہ کی زمین تنگ کر دی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی عبادت بھی سکون سے نہیں کر سکتے۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری درخواست ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں کو لے کر میرے ساتھ یمن چلیں، میں اپنا تاج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر رکھ دوں گا۔ میرا ملک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ملک ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بادشاہ ہوں گے۔ قبیلہ دوس کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہوں گے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام بن کر رہوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر اطاعت اور حکم بجالاؤں گا۔ مسلمان وہاں آزادی سے عبادت کر سکیں گے۔ میرے پاس ایک مضبوط قلعہ ہے مکہ والوں کی مجال نہ ہوگی مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔''

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کے اس ایثار سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''طفیل! اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزائے خیر دے ابھی ہجرت کا حکم نہیں ملا، پھر ہم کسی جاہ و منصب اور تخت و تاج کی خواہش نہیں رکھتے۔ ہم کو ہجرت کا جس جگہ کے لئے حکم ہوگا وہاں چلے جائیں گے۔ ہاں! ''تمہارے لئے یہ کام ہے کہ اپنی سلطنت میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو جس میں کسی قسم کا جبر و اکراہ نہ ہو۔''

حضرت عمرو بن طفیل دوسیؓ نے کہا مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم دل و جان سے منظور ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے فروغ کے لئے ہر خدمت سر انجام دوں گا۔ میری یہ درخواست ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اطلاع دیں تا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے وطن لے جاؤں۔ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بوسہ دیا اور روانہ ہو گئے۔

حضرت طفیل دوسیؓ کو بڑی تمنا تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر ان کے وطن تشریف لائیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو انہیں مایوسی ہوئی اپنے وطن میں دل نہ لگا۔ اسّی (80) خاندانوں کو لے کر خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن عافیت میں ایسا سکون اور راحت ملی کہ پھر زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں سے الگ نہ ہوئے۔ (صحیح مسلم جلد اول۔ مہاجرین جلد دوم)

''قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی۔''

''یہ تھے شمع نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے''

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقر ابوذرؓ صدق سلمانیؓ مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے

حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب چار آدمیوں کے سوا دنیا کی تمام زبانیں اس اعلان حق کے قبول کرنے سے خاموش تھیں۔ حضرت ابوذرؓ ایمان لانے سے قبل بھی شرک اور بت پرستی سے سخت بیزار تھے۔ ان کی زندگی شروع ہی سے تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی تھی۔ ہر صحابی میں کوئی نہ کوئی خاص وصف ہوتا ہے۔ آپؓ کی زندگی کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے آپؓ زہد وتقویٰ کا عجیب وغریب نمونہ نظر آتے ہیں۔ اس فقیرانہ اور درویشانہ طرزِ زندگی ہی کو دیکھ کر نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ میری امت میں سے ابوذرؓ میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام جیسا زہد ہے۔ (الاصابہ)

صحیح مسلم میں ہے کہ ابوذرؓ پر اسلام سے پہلے ہی خشیت الٰہی مسلط ہو چکی تھی۔ لوگ ان کی زبان سے لا الہ الا اللہ کا ورد سنتے تھے اور حیران ہوتے تھے کہ کس جنون میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس وقت مکہ سے خورشید اسلام طلوع ہو چکا تھا۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت توحید کا آغاز فرما دیا تھا۔ ایک دن قبیلہ غفار کا ایک آدمی مکہ گیا اس کے کانوں میں اسلام کی بھنک پڑ گئی، واپس آکر حضرت ابوذرؓ سے ملا اور کہنے لگا ابوذرؓ! تمہاری طرح مکہ میں بھی ایک شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے لوگوں کو بت پرستی سے منع کرتا ہے۔ ابوذرؓ تو پہلے ہی کسی ہادی و رہنما کی تلاش میں تھے۔ یہ خبر سن کر بے تاب ہو گئے اور اپنے بھائی انیس کو مکہ روانہ کیا کہ جاؤ اس شخص سے بات چیت کرو اور امر واقعی کی مجھے آکر اطلاع دو۔

انیس ایک بلند پایہ شاعر اور نہایت زیرک آدمی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات گرامی سنے تو بہت متاثر ہوئے، واپس آکر بتایا لوگ انہیں شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں لیکن خدا کی قسم میں نے انہیں ایسا نہیں پایا، وہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں۔ اس مختصر جواب سے ابوذرؓ کی تسلی نہ ہوئی خود تحقیق احوال کے لئے عازم مکہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے نہ تھے اور کسی سے پوچھنا پسند نہ فرماتے تھے کئی دنوں سے مکہ کی گلیوں میں گھوم

پھر رہے تھے۔ جب بھوک کا غلبہ ہوتا آب زم زم پی لیتے پھر تلاش میں سرگرداں ہو جاتے۔

ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ آپؓ ابو ذرؓ کو ایک طرف لے گئے اور پوچھا بھائی میں کئی روز سے تمہیں یہاں دیکھ رہا ہوں تم کس چیز کی تلاش میں ہو؟ حضرت ابو ذرؓ نے جواب دیا: ''اگر تم وعدہ کرو کہ مجھے میری منزل تک پہنچا دو گے اور زبان بند رکھو گے تو بتائے دیتا ہوں۔'' حضرت علیؓ نے کہا مطمئن رہو، تمہارا راز افشاں نہ ہوگا۔

اس نوجوان نے جس کا نام ابو ذرؓ تھا اپنا مقصد بتایا کہ اس شہر میں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے، میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تھا وہ یہاں سے تسلی بخش جواب لے کر نہیں گیا۔ اس لئے خود آیا ہوں۔ حضرت علیؓ نے اس کی باتیں سن کر فرمایا: ''تم نے ہدایت کا راستہ پالیا۔ جن کی تلاش میں تم آئے ہو، بے شک وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔'' حضرت علیؓ انہیں لے کر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلال نبوت سے جگمگاتا منورہ چہرہ مبارک دیکھ کر ابو ذرؓ کے دل نے گواہی دی کہ یہ واقعی اللہ کے سچے اور برحق رسول ہیں۔'' اور ایسے محبت بھرے لہجے میں سلام عرض کیا کہ جس میں محبت اور عقیدت واحترام کی انتہا تھی۔ ابو ذرؓ کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر بھی بشاشت پھیل گئی اور لسان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ الفاظ جاری ہو گئے، ''آسمان کسی ایسے شخص پر سایہ فگن نہیں ہوا اور زمین نے کسی ایسے شخص کو کندھوں پر نہیں بٹھایا جو ابو ذرؓ سے زیادہ سچی زبان رکھتا ہو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی سے سرفراز ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم ابھی اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھو اور اپنے وطن چلے جاؤ اور اپنے قبیلے میں تبلیغ کی دعوت دو، پھر جب ہمارے غلبہ کی خبر تم کو پہنچے تو آجانا۔'' حضرت ابو ذرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس ذات کی قسم، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے میں مشرکین کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان ضرور کروں گا۔ چنانچہ سیدھا کعبہ میں گئے وہاں کفار جمع تھے۔ ابو ذرؓ نے بآواز بلند کلمہ شہادت پڑھا، قریش نے انہیں بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ اتنے میں حضرت عباسؓ پہنچ گئے انہوں نے ابو ذرؓ کو پہچان لیا اور قریش سے کہنے لگے کم بختو! یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے، جہاں تم تجارت کو جاتے ہو، تمہاری منڈی اور راستہ غفار ہی کی طرف ہے یہ سن کر وہ باز آ گئے۔

پھر جب صبح ہوئی تو کعبہ میں جا کر پھر ویسے ہی کیا، پھر حضرت عباسؓ نے انہیں چھڑوایا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے وطن واپس چلے گئے اور عرصہ دراز تک اپنے قبیلے کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔حضرت ابوذرؓ کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خاص قرب حاصل تھا۔(ابن سعد جزو 4 قسم 1 ص 169)

حضرت ابوذرؓ کو ہر وقت یہ فکر رہتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کو پوری طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانچہ میں ڈھال لیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہر معاملے میں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے کہ کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جائے جو اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہو، انہوں نے جس طرح عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زندگی گزاری، بالکل اسی طرح بعد کو گزاری۔(اصابہ جلد 7 ص 62)

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے انہیں کھانے پر بلایا۔آپؓ نے جب دیکھا دسترخوان پر کھانے انواع واقسام کے چنے جارہے ہیں تو فوراً کھڑے ہو گئے اور فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں میرا کھانا ایک ہفتہ کے لئے ایک صاع جو تھا (چار کلو) یہ عمدہ کھانا کھا کر اپنے خلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا جواب دوں گا۔دعوت کھانے سے انکار کر دیا اور کہا خدا کی قسم! میں اس میں رتی بھر بھی زیادتی نہیں کروں گا۔یہاں تک کہ اس حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ جاؤں۔

ابوذرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ لگاؤ اور محبت تھی۔اسلام کی تعلیمات آپؓ کے روح وجسم میں جاگزیں تھیں۔

''عشق کا اک نام ہے تقلید بھی'':

آپؓ دولت کی گردش کے زبردست حامی تھے۔مال و دولت آپؓ کی نظر میں کچھ وقعت نہ رکھتے تھے۔جب غزوات گزر چکے تو آپؓ نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچ کر اپنے آپ کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ابوذر غفاریؓ پر اتنی شفقت فرماتے تھے کہ مرض الموت میں ابوذرؓ کو بلاوا بھیجا۔حضرت ابوذرؓ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچ کر والہانہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر جھکے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا ہاتھ اپنے جسم اطہر کے ساتھ چمٹا لیا۔

حضرت ابوذرؓ پر وارفتگی کا عالم طاری ہوگیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو حضرت ابوذرؓ کے دل کی دنیا اُجڑ گئی اور مدینہ چھوڑ کر شام جا بسے۔(مسند احمد بن حنبلؒ جلد 5 ص 162)

حضرت ابوذرؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت گہرا لگاؤ اور والہانہ محبت وعقیدت تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد اسلام کی سربلندی کے لئے آخری دم تک لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیمات سے آشکارا کرتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکالیف ومصائب کو یاد کرکے رو دیا کرتے تھے۔ عیش وتنعم جب ان کی زندگی میں آیا تو صرف اس خیال سے روتے تھے کہ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں میسر نہ آیا۔

''مقام ابوذرؓ نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'':

اسماعیل بن موسیٰ فزاری بن بنت سدی، شریک، ابو ربیعہ، ابن بریدہ، حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت کرنیکا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا وہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: ''ان میں سے ایک تو علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور باقی تین ابوذرؓ، مقدادؓ اور سلمانؓ''۔ (جامع ترمذی جلد دوم، سنن ابن ماجہ جلد اول، مشکوٰۃ شریف جلد پنجم)

''زمین کے اوپر، آسمان کے نیچے سب سے زیادہ سچے، جن سے محبت کا حکم دیا گیا۔''

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے''

سید الشہداء ''حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا حضرت حمزہؓ کا شمار راہ حق میں جان دینے والے ان صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جن کی قدر و منزلت پر مسلمانوں کے سبھی مکاتب فکر کا کامل اتفاق ہے۔ان کا حسب ونسب لکھنا اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت حمزہؓ آپ خیرالبشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور دودھ شریک (رضائی بھائی) بھائی بھی تھے۔

آپؓ کے القاب، سید الشہداء، اسد اللہ، اسد الرسولؐ مشہور تھے۔ بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توحید کی دعوت دیتے ہوئے چھ سال ہونے کو آئے تھے لیکن حضرت حمزہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت کے باوجود کبھی دعوت اسلامی کی طرف توجہ نہ دی تھی۔

آپؓ کے قبول اسلام کی تفصیلات تمام کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ان کے گھر سے آفتاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلوع ہو کر ملک کے تاریک ترین غاروں میں روشنی پھیلا رہا تھا لیکن انہیں اپنی مہمات سے ہی فرصت نہ تھی۔اللہ تعالیٰ کی حکمت ومصلحت بڑی عجیب اور طاقت ور چیز ہے۔لوگوں کے ذہن میں کبھی یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ کارخانہ قدرت میں کیا فیصلے کئے جاتے ہیں یا کئے جا رہے ہیں۔ایسا ہی ایک فیصلہ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کے بارے میں ہوا۔

حضرت حمزہؓ بڑے نڈر، بہادر اور طاقت ور تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ میں دعوت حق کا کام شروع کیا تو مخالفتوں کے تیز جھکڑ چلنے لگے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روشن کیا ہوا چراغ ان تھپیڑوں اور آندھیوں کے مقابلہ پر اپنی روشنی بکھیرتا رہا۔ایک دن حضرت حمزہؓ شکار پر گئے ہوئے تھے کہ ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے حضرت حمزہؓ کے قلب ونظر کی دنیا بدل کر رکھ دی۔ وہ دین حق کے جاں نثار سپاہی بن گئے۔(خیرالبشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار ص 23)

ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں وعظ فرما رہے تھے۔درس توحید دے رہے تھے کہ ابوجہل کا اُدھر سے گزر ہوا، اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے تحاشا گالیاں دیں اور ہاتھ بھی اٹھایا۔اس کی یہی حماقت اسلام کی قوت کا وسیلہ بن گئی۔

حضرت حمزہؓ حسب معمول شکار سے واپس آ رہے تھے۔ اتفاق سے بنو تمیم کے رئیس عبداللہ بن جدعان کی آزاد کردہ لونڈی کو وہ صفا پر اپنے گھر میں بیٹھی یہ سارا واقعہ دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ کا اس کے گھر کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے حضرت حمزہؓ سے مخاطب ہو کر ابوجہل کی جہالت وحماقت کا پورا قصہ سنایا کہ ''ابوعمارہ! کاش تم تھوڑی دیر پہلے یہاں موجود ہوتے اور دیکھتے کہ عمرو بن ہشام (ابوجہل) نے تمہارے بھتیجے کو بہت گالیاں دیں برا بھلا کہا۔ حضرت حمزہؓ کو سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت اور لگاؤ تھا، یہ سننا تھا کہ حضرت حمزہؓ کی رگ حمیت پھڑک اٹھی وہ بھتیجے کی توہین کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ اسی طرح تیر وکمان لئے غصہ سے بے قابو ہو کر سیدھا خانہ کعبہ کا رُخ کیا، جہاں ابوجہل مشرکین کی مجلس میں بیٹھا لاف زنی کر رہا تھا، جوش انتقام میں ڈوبا ہوا نوجوان جونہی ابوجہل کی مجلس میں پہنچا، حاضرین کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ حضرت حمزہؓ نے اپنی کمان اس زور سے ابوجہل کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ لہولہان ہو گیا پھر گرج کر کہا: ''کیا تو سمجھتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بے سہارا ہے؟ کیا تو نے سمجھ لیا ہے کہ بنو ہاشم سارے کے سارے مر گئے ہیں؟ تو ان کو گالیاں دیتا ہے، میں بھی انہی کے دین پر ہوں اور وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں۔ اس پر بنومخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی حمایت میں اٹھے مگر ابوجہل نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ میں نے واقعی ان کے بھتیجے کو گالیاں دی ہیں۔ (طبرانی)

حضرت حمزہؓ نتائج وعواقب سے بے خبر گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزہ چکھانے آیا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ابوجہل کے حامی مخزومیوں نے حضرت حمزہؓ سے کہا: ''حمزہ شائد تم بھی صابی ہوگئی ہو (بے دین)'' حضرت حمزہؓ نے بے باکانہ جواب دیا: ''میرا دین بھی وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔''

حضرت حمزہؓ کی آتش انتقام سرد ہوئی تو وہ سیدھے دارارقم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور سارا واقعہ سنایا اور کہا۔ ''بھتیجے! خوش ہو جاؤ میں نے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔''

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عم محترم! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا، میری خوشی اسی میں ہے آپؓ غیر اللہ سے منقطع ہو کر دین حق میں داخل ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعوت حق کے بعد حضرت حمزہؓ سخت الجھن میں مبتلا ہو گئے۔

رات اسی شش و پنج میں گزری صبح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ذہنی الجھن کا حال بیان کیا۔ سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت لطیف پیرائے میں اسلام کی حقانیت سمجھائی، اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا، اور قبول حق کے سلسلے میں جنت کی بشارت دی۔

ارشادات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر حضرت حمزہؓ کا دل یقین اور ایمان کے نور سے معمور ہو گیا اور انہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد ان کا زیادہ تر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و محبت میں گزرنے لگا، اسلام کی اشاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی خاطر سائے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے لگے۔

اسلام میں سب سے پہلا علم (جھنڈا) حضرت حمزہؓ ہی کو عطا ہوا، غزوہ بدر میں حضرت حمزہؓ نے بڑی پامردی و شجاعت سے کفار کا مقابلہ کیا۔

طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت حمزہؓ اس شان سے لڑ رہے تھے کہ دستار پر سرخ شتر مرغ کی کلغی تھی اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہے تھے جدھر رخ کر لیتے کفار کی صفیں اُلٹ دیتے۔ جنگ اُحد میں بھی جب حضرت حمزہؓ دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے جاتے اور کہتے جاتے تھے: ''کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیر ہوں۔''

(خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثار ص29)

حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازہ اس بات سے بھی لگائیے: دادِ شجاعت دیتے ہوئے اسی حالت میں مکہ کا ایک بڑا مشرک سباع بن عبدالعزیٰ ان کے سامنے آ گیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس سے مخاطب ہو کر یہ کہتے ہوئے کہ اُم انمار کے بچے! تو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑنے آیا ہے، تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی تو حضرت حمزہؓ کی تلوار بے نیام نے صفوں کی صفیں اُلٹ دیں۔ اسی دوران وحشی نامی غلام نے ابوسفیان کی بیوی ہندہ کے حکم پر آزادی کا لالچ دے کر کہہ رکھا تھا کہ حمزہؓ کو قتل کرو گے تو آزاد کر دیئے جاؤ گے۔ حبشی نامی غلام نے تاک کر ناف پر تیر مارا، جس سے آپؓ شہید ہو گئے۔ ہندہ نے آپؓ کی لاش کا مثلہ کیا۔ آپؓ کے ہونٹ، ناک اور کان کاٹ کر ان کا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیا بلکہ شکم مبارک سے کلیجہ نکال کر چبا ڈالا تھا۔

جنگ ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے محبوب اور پیارے چچا کی مثلہ کی ہوئی لاش کی حالت دیکھ کر فرط رنج والم سے بے قرار ہو گئے اور مخاطب ہو کر فرمایا: ''آپؓ پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ آپؓ عزہ واقرباء کا سب سے زیادہ خیال رکھنے والے تھے اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ آپؓ کی مصیبت کے برابر میرے لئے کوئی دوسری مصیبت ہرگز نہیں ہوسکتی۔ آپؓ کے جنازہ پر ستر (70) تکبیروں سے نماز ادا کی گئی۔ جب دوسرے شہدائے احد کے جنازے لائے جاتے تھے تو وہ آپؓ کے جنازے کے پیچھے رکھے جاتے تھے۔ یوں اُحد میں جو ستر مجاہدین شہید ہوئے یعنی ستر (70) بار سید الشہداء پر نماز جنازہ ادا کی گئی۔

طبرانی نے حارث تیمیؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت حمزہؓ یوم بدر میں شتر مرغ کے پر کا نشان لگائے ہوئے تھے۔ جنگ کے بعد مشرکین میں سے کسی نے پوچھا یہ کون ہے جس نے شتر مرغ کے پر کی کلغی لگا رکھی تھی۔ اُسے بتایا گیا کہ وہ حمزہؓ بن عبد المطلب تھے اُس نے کہا کہ اس شخص نے آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔

حضرت حمزہؓ سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ محبت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ چند سال بعد حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی بن حرب اسلام قبول کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحشی سے فرمایا: ''تمہارا اسلام تو اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا ہے لیکن تم میرے سامنے نہ آیا کرو، تم اپنا چہرہ میرے چہرے سے چھپا سکتے ہو تو چھپا لو، کیونکہ تمہیں دیکھ کر حضرت حمزہؓ کا غم اور وہ دردناک منظر یاد آجاتا ہے چنانچہ وہ پھر تمام عمر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نہ آئے۔

حضرت حمزہؓ فرمایا کرتے تھے جب میں جوان تھا تو سمجھتا تھا کہ موت انسان کو اس دنیا کے عیش وآرام سے محروم کر دیتی ہے۔ کیوں خواہ مخواہ موت کی طرف رغبت کروں اور اژدھے کے منہ کی طرف جاؤں۔ یہی وجہ تھی میں اپنی جان کی حفاظت کے لئے زرّہ پہنتا تھا۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان اور محبت سے میرے خیالات بدل گئے ہیں اب مجھ کو اس دنیائے فانی سے مطلق کوئی لگاؤ نہیں ہے اور موت مجھ کو جنت کی کنجی معلوم ہوتی ہے۔ اب زرّہ تو وہ پہنے جس کے لئے موت دہشت ناک چیز ہو، جس کو تم موت کہتے ہو وہ میرے لئے ابدی زندگی ہے۔

دربار نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپؓ کو اسد اللہ واسد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معزز خطاب ملا۔ 3ھ میں جنگ اُحد میں شہید ہوئے اور سید الشہداء کے قابل احترام لقب سے مشہور ہوئے۔ (زرقانی جلد 3، مدارج النبوت، اکمال ص 560)

فرشتوں نے غسل دیا:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت حمزہؓ کو ان کی شہادت کے بعد فرشتوں نے غسل دیا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق فرمائی کہ بے شک میرے چچا کو شہادت کے بعد فرشتوں نے غسل دیا۔ (حجتہ اللہ علی العالمین جلد 2، بحوالہ ابن سعد)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعدؓ الاسود بڑے کالے اور کم رو تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک نازک دل اور حسین سیرت عطا فرمائی تھی لیکن حسن ظاہری سے محروم تھے اتنے کالے تھے کہ نام کے ساتھ اسود (کلوا) جڑ گیا تھا۔ اس کم روئی کی وجہ سے ان کی شادی نہیں ہوئی تھی ان کو بڑی تمنا تھی کہ ان کی بھی شادی ہو۔

ان کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میری سیاہ روئی مجھے جنت میں جانے سے تو نہ روکے گی؟'' فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ نہیں روکے گی۔'' بشرطیکہ خدا سے ڈرو اور اس چیز پر ایمان لاؤ جو میں لایا ہوں (صغار صحابہ کرامؓ، حصہ دوم ص 63)

یہ خوشخبری سن کر فوراً کلمہ شہادت پڑھا، **اشھدو اان لاالہ الا اللہ و اشھدوا ان محمدا عبدہ و رسولہ**۔ اسلام لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہنے لگے۔ ایک دن انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری سیاہ روئی کی وجہ سے کوئی بھی میری شادی اپنی لڑکی سے کرنے کو تیار نہیں ہے۔'' ان کی درخواست پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم عمرو بن وہبؓ ثقفی کے پاس جاؤ، اس کی ایک نوجوان لڑکی ہے اس کا پیام دو۔'' عمرو بن وہبؓ ثقفی کی بیٹی نہایت حسین وجمیل اور ذہین وذکی تھی۔

سعد الاسودؓ حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عمرو بن وہبؓ کے گھر پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام دیا۔ عمرو بن وہبؓ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ان کی طبیعت میں ابھی زمانہ جاہلیت کا رنگ موجود تھا، انہوں نے سعدؓ کی صورت کو دیکھا تو ایسا لگا گویا وہ پیام نہیں گالی دے رہے ہیں۔ سعدؓ کو سختی سے واپس کر دیا اور رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

لڑکی پردے کے پیچھے سے اپنے باپ اور سعدؓ کی باتیں سن رہی تھی، وہ دوڑ کر دروازے پر آئی، سعدؓ کو آواز دے کر واپس بلایا اور کہا: ''کیا واقعی تمہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے؟'' کہا، ہاں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دے کر بھیجا ہے کہ تمہارا پیام دوں۔''

لڑکی نے کہا اگر واقعی تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دے کر بھیجا ہے تو مجھے یہ رشتہ قبول ہے میں اس چیز پر رضا مند ہوں جس پر خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ٹالنے والے کے لئے رسوائی وذلت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔'' پھر اپنے باپ سے کہا قبل اس کے کہ ہمارے لئے وحی نازل ہو،ہمیں برباد و رسوا ہونا پڑے آپ اپنی نجات کی کوشش کیجئے۔

عمرو بن وہبؓ نے لڑکی کی بات سنی تو بات سمجھ میں آئی وہ اپنے انکار پر سخت پشیمان ہوئے۔ بارگاہ اقدس میں جا کر معافی مانگی اور اپنی خوبصورت وخوبرو بیٹی کی شادی حضرت سعد الاسودؓ سے کردی (اسد الغابہ جلد اول) ایسی نایاب دولت پا کر حضرت سعدؓ پھولے نہ سماتے تھے، دلہن سے ملنے کا انتہائی اشتیاق تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعدؓ سے فرمایا: ''جاؤ بیوی کے لئے کچھ تحائف خرید لاؤ، جو پہلی ملاقات میں بیوی کی نذر کرو گے، ابھی یہ بازار ہی میں تھے کہ ایک منادی کی آواز سنی: ''اے اللہ کے شہسوارو! جہاد کے لئے سوار ہو جاؤ اور جنت کی خوشخبری سنو۔''

اس اعلان کو سن کر سعدؓ بڑی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ ایک طرف عشق حقیقی پکار رہا تھا دوسری طرف عشق مجازی کی دعوت تھی۔ ایک طرف حسین وجمیل دلہن سے ملنے کا اشتیاق تھا اور دوسری طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وحفاظت کا تقاضا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت غالب آ گئی جو پیسے دلہن کے لئے تحفے خریدنے کے لئے تھے ان سے تلوار، عمامہ، نیزہ اور گھوڑا خرید کر میدان کارزار میں جا پہنچے۔

جہاد فی سبیل اللہ کا جوش اور خون رگوں میں دوڑنے لگا، جا کر مجاہدین میں شامل ہو گئے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق اور محبت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ میدان جنگ میں گھوڑا دوڑاتے پھرتے تھے جب گھوڑا تھک گیا تو آستین چڑھا کر پیدل ہی دشمن کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سیاہ ہاتھ دیکھے تو پہچان کر آواز دی: ''سعدؓ ادھر آؤ۔'' مگر یہ شوق شہادت کے نشے میں سرشار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وحفاظت میں سر نچھاور کرنے کو تیار، ایسے منہمک تھے کہ انہیں کچھ خبر نہ ہوئی۔

آخر اسی طرح جنگ کرتے ہوئے، دل میں عشق ومحبت کا طوفان لئے جام شہادت نوش فرما گئے۔نوعروس دلہن کی آغوش کی بجائے تلوار سے گلے مل کر ابدی زندگی پا گئے۔آپ سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو ان کی لاش کے پاس تشریف لا کر ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ان کا گھوڑا اور اسلحہ ان کی نوعمر عروس بیوہ کے پاس بھجوا دیا اور اُن کے سسرال والوں سے کہلا بھیجا خدا نے تمہاری لڑکی سے بہتر لڑکی سے سعدؓ کی شادی کر دی ہے۔(اسد الغابہ جلد اوّل)

مرد خدا کا عمل عشق سے ہے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

2 ھ میں جب بدر کا معرکہ پیش تھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے مقابلے کے لئے اپنے جاں نثاروں کا لشکر ترتیب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شیدائیوں کا معائنہ فرمایا اور ان میں سے ایسے لوگوں کو چھانٹا جو جنگ کے لئے مناسب تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہونے والوں میں کچھ نوعمر لڑکے تھے لیکن اپنی کم عمری کی وجہ سے یہ جنگ میں حصہ لینے کے لائق نہ تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان نوجوانوں کو لشکر میں شریک کرنے سے منع فرما دیا۔

فاتح ایران سعدؓ بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی عمیرؓ بن ابی وقاص کی عمر اس وقت پندرہ سولہ سال تھی لیکن طبیعت ایسی پر جوش اور فطرت ایسی سلیم پائی تھی کہ بچپن ہی سے اسلام کے دلدادہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدائی ہو گئے تھے۔

جب بدر کی روانگی کے لئے لشکر ترتیب دیا جا رہا تھا تو یہ بھی اس میں شامل ہو کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں جان دینے کی تمنا رکھتے تھے۔ انہوں نے عہد طفولیت میں بھائی کا ساتھ دیا اور ساقی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ہی جام نے ان کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا۔

(اسد الغابہ، تذکرہ عمیرؓ بن ابی وقاص)

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو ترتیب دے رہے تھے تو حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص اِدھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے۔ ان کے بھائی سعدؓ بن ابی وقاص نے دیکھ لیا کہ وہ مضطرب و بے قرار اِدھر اُدھر چھپتے پھر رہے ہیں انہوں نے پوچھا: ''میرے بھائی تم اس طرح کیوں چھپ رہے ہو؟'' عرض کی، ''میرے محترم بھائی! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ہم عمر سب لڑکوں کو لشکر کی شرکت سے منع فرما دیا ہے مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ لیا تو ضرور منع فرما دیں گے، مجھ سے یہ گوارا نہ ہوگا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دشمن کے مقابلہ پر جائیں اور میں گھر میں آرام کروں۔ میری تمنا ہے کہ میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش بدوش لڑوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں جان دے کر شہادت کی دولت سے مالا مال ہوں۔''

حضرت سعدؓ بن وقاص ان کا ہاتھ پکڑ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پہنچ کر ایڑاں اوپر اٹھالیں تاکہ قد لمبا ظاہر ہو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کم عمری کی وجہ سے ان سے فرمایا: ''عمیرؓ تم واپس جاؤ۔''

اتنا سننا تھا کہ عمیرؓ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور عرض کیا،''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان قربان کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ میری بڑی تمنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں شہادت کا جام نوش کروں۔'' عمیرؓ کے اس جوش جاں نثاری اور شوق شہادت نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر بڑا اثر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا ٹھیک ہے تم ہمارے ساتھ چلو، لاؤ میں تمہاری تلوار باندھتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست مبارک سے تلوار باندھی۔ (مستدرک حاکم جلد 3) اتنا سن کر وہ خوشی سے اُچھلنے لگے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا بیان ہے اس وقت عمیرؓ کا قد اتنا چھوٹا تھا کہ تلوار لٹکائی تو وہ زمین پر ٹکنے لگی۔ میں نے خود تلوار کے تسمے میں گرہیں لگا کر اس کو اونچا کیا۔ حضرت عمیرؓ کی عمر اس وقت سولہ سال تھی۔

میدان کارزار میں پہنچے تو عمیرؓ نے بڑی بہادری وشجاعت کا مظاہرہ کیا۔ مشرکین کے بڑے بڑے بہادروں کا مقابلہ کرنے سے بالکل نہیں کترائے۔ ایک دفعہ عمرو بن عبدود سامنے آیا تو یہ تلوار لے کر اس کی طرف لپکے لیکن اس کافر کی تلوار کا ایک زخم ان کو کاری لگا جس سے ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں جان دینے کی تمنا پوری ہوگئی۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

(مستدرک حاکم، اسد الغابہ، طبقات ابن سعد)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہر مسلمان رگ باطل کے لئے نشتر تھا

حضرت عثمانؓ بن مظعون مال و دولت کی ریل پیل اور معاشرے میں ہر قسم کی آزادی کے باوجود آپؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی عالم طفلی اور دورِ شباب میں بھی کبھی جوئے، شراب اور زنا کے قریب نہ پھٹکتے تھے۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون جیسے خوش بخت لوگ جن کا دل پہلے ہی عرفان الٰہی کا مرکز ہوتا ہے جب وحی کی آواز سنتے ہیں تو سونے پر سہاگے کی مثال صادق آتی ہے۔عنفوان شباب ہی میں تھے کہ انہیں مکہ کی وادیوں میں ایک مانوس سی آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔ یہ آواز ایسی ہستی کی زبان سے بلند ہو رہی تھی جس کا پورا ماضی تمام لوگوں کے سامنے تھا۔جس کا دامن نیلے آسمان پر چمکنے والے مہر و ماہ سے زیادہ چمک دار اور اُجلا تھا۔ دل میں اترنے والا پیغام سن کر حضرت عثمانؓ نے بڑھ کر دامن رحمت تھام لیا۔حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ساتھ بالکل ابتدا میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔اس طرح آپؓ سابقون الاولون میں سے ہیں۔

مکہ میں اہل اسلام پر ابتلا و آزمائش کی جو کٹھن گھڑیاں آچکی تھیں ان میں سے حضرت عثمانؓ کو بھی اپنا حصہ ملا۔ بالآخر جب مصائب حد سے گزر گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے وہ بادیدہ تر اپنے دین کی حفاظت اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں خاموشی سے اپنے گھر بار، عزیز و اقارب اور وطن کو چھوڑ رہے تھے، لیکن ایک عظیم تر مقصد کی محبت نے انہیں ایسا سرشار کر رکھا تھا کہ وہ ان سب محبتوں کو جھٹک کر مکہ سے نکل گئے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ کچھ عرصہ کے بعد مسلمانوں کو خبر ملی کہ مکہ میں اسلام کا بول بالا ہو گیا لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر پتہ چلا کہ خبر غلط تھی۔ حضرت عثمانؓ بہت خوشی خوشی وطن کی طرف لوٹ رہے تھے اب واپس بھی نہ جا سکتے تھے۔اپنے کچھ رشتہ داروں کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون نے بنو مخزوم کے سردار ولید بن مغیرہ کی پناہ لے لی اور مکہ میں تمام

مصائب و تکالیف سے محفوظ امن و امان سے رہنے لگے لیکن دوسرے مسلمانوں پر انسانی تاریخ کے بدترین اور نا قابل تصور مظالم توڑے جا رہے تھے۔

ایک دن ان کی غیرت ایمانی نے جوش مارا کہ میں تو ایک مشرک کی پناہ کی وجہ سے اطمینان و سکون کی زندگی گزار رہا ہوں۔ صبح و شام ہر جگہ آرام سے گھوم پھر رہا ہوں۔ میرے جان سے پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دینی بھائی بے پناہ ظلم و تشدد کا شکار ہیں۔ تڑپ اٹھے کہ یہ میرے نفس کی انتہائی بڑی کمزوری ہے۔ یہ خیال آتے ہی ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور اس کی دی ہوئی امان شکریہ کے ساتھ واپس کر دی اور کہا تم نے میری قدر کی لیکن اب میں تمہاری حفاظت سے نکل کر اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ میرے لئے میرے پیارے اور محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ کافی ہے۔

عثمانؓ بن مظعون، ولید بن مغیرہ کو خانہ کعبہ لے گئے کہ میری دست برداری کا اعلان کرو۔ ولید کو مجبوراً اپنی امان واپس لینے کا اعلان کرنا پڑا۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ نے بھی فرمایا: ''صاحبو! ولید کی شرافت اور پاس عہد کی مثال مشکل سے ملے گی۔ میں نے ولید کو انتہائی وفادار اور اچھا پناہ دینے والا پایا ہے۔'' ولید کی پناہ سے نکلنے کے بعد عثمانؓ کو وہ اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جاں نثار اصحابؓ برداشت کر رہے تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے کافروں کے مشہور شاعر لبید کے کلام پر کچھ تنقید کر دی۔ لبید نے کہا، اے اہل قریش! دیکھو یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ کس نئے انداز سے میری حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ اس پر لوگ مشتعل ہو گئے کہ ان کے مایہ ناز شاعر کی تذلیل ہوئی ہے۔ عقبہ بن ابی معیط نے اٹھ کر ان کی آنکھ پر ایسا زوردار طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ میں خون آ گیا۔ آنکھ ضائع ہو گئی۔ لوگوں نے کہا: ''عثمانؓ خدا کی قسم تم ولید کی پناہ میں معزز تھے تمہاری آنکھ بھی ہر صدمے سے محفوظ تھی۔ تم نے اس امان کو توڑ کر اپنے حق میں برا کیا۔''

حضرت عثمانؓ بن مظعون نے کہا: ''خدا کی قسم! میں اللہ اور اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں زیادہ معزز و مامون ہوں۔ میری دوسری آنکھ بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے لئے زخمی ہونے کو بے تاب و بے قرار ہے۔'' (اسد الغابہ جلد 3)

میری ضائع ہو جانے والی آنکھ، صحیح و سالم آنکھ سے زیادہ قیمتی ہے کہ وہ راہِ حق اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قربان ہوگئی۔ میرے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں بہترین اسوہ ہے۔ (شہید محراب عمرؓ بن خطاب) اسد الغابہ جلد 3)۔

یہ بڑا خوش گوار اتفاق ہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ بن عفان کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے اخلاق و عادات میں شرم وحیا نہایت اعلیٰ وارفع حصائل کی حیثیت سے نظر آتی ہے۔ خلیفہ ثالث کے یہ ہم نام صحابی حضرت عثمانؓ بن عفان بھی شرم وحیا کے پتلے تھے۔ ایک دن نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عثمانؓ بن مظعون نہایت باحیا اور پردہ پوش ہے۔'' آپؓ زمانہ جاہلیت ہی سے عریانی و بے حیائی کے مظاہروں سے از حد متنفر تھے۔

حق کے پجاری بظاہر کمزور ہوتے ہیں مگر اپنے کردار کی مضبوطی کی وجہ سے غالب اور طاقت ور بن کر ابھرتے ہیں۔ طاغوت، ثابت قدم اہل ایمان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا ہے مگر عاشقین صادقین کبھی ہار نہیں مانتے۔

ابن سعد نے طبقات میں حضرت عثمانؓ بن مظعون کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی وفات پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ ان کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کی جبیں پر اپنے مبارک و بابرکت ہونٹ رکھ دیں اس کی خوبی قسمت کا کیا کہنا۔ اس طرح یہ درخشندہ ستارہ جس نے آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشنی حاصل کی تھی۔ اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت تمیمؓ بن اُوس داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبول اسلام سے پہلے حضرت تمیمؓ داری کا شمار علمائے یہود ونصاریٰ میں ہوتا تھا، نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہونے کے بعد انہوں نے اپنی ساری توانائیاں قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں صرف کر دیں۔ یہاں تک کہ انہیں درجہ تجر حاصل ہو گیا۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حضرت تمیمؓ داری قرآن حکیم اور انجیل دونوں کے عالم تھے۔ اپنی نمازوں میں اس قدر تلاوت قرآن کرتے تھے کہ لوگوں کو ان پر رشک آتا تھا۔

سیدنا تمیم داریؓ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجے کی سلامتی طبع سے نوازا تھا اگرچہ ان کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسب فیض کا کچھ زیادہ موقع نہیں ملا، تاہم دو سال یا ڈھائی سال کی مدت ہی میں وہ ایسے مثالی مرد مومن بن گئے کہ ان کے ہر قوت وفعل میں اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھلک نمایاں ہوتی تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ، حافظ ابن حجرؒ، علامہ ابن اثیرؒ اور دوسرے ارباب سیر نے حضرت تمیم داریؓ کی عبادت وریاضت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے وہ اپنے اوقات کا یعنی دن رات کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں گزارتے تھے۔ خشیت الٰہی سے ہر وقت لرزاں وترساں رہتے اور ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

9 ھ میں اپنے قبول اسلام کرنے سے لے کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف 11 ھ تک حضرت تمیم داریؓ نے صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوب خوب استفادہ کیا اور قرآن کریم کے علماء میں شمار ہونے لگے۔ متاخر اسلام ہونے کے باوجود ان کا شمار عظیم المرتبت صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوتا تھا۔

(خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار ص472)

قرب حق از ہر عمل مقصود دار:

مورخ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ شام سے مدینہ آتے وقت حضرت تمیم داریؓ اپنے ساتھ کچھ

قندیلیں اور ان میں جلانے کا تیل اپنے ہمراہ لائے۔قبول اسلام کے بعد انہوں نے قندیلیں تیل سے بھر کر مسجد میں لٹکا دیں اور شام کو انہیں جلا دیا۔مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم میں رات کو روشنی کا کوئی اہتمام نہ تھا لوگ چاند یا تاروں کی روشنی میں نماز پڑھتے تھے۔البتہ کبھی کبھار صحابہ کرامؓ کھجور کی شاخوں میں مشعلیں جلا کر لے آتے تھے۔

9ھ کا ذکر ہے ایک شب رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم مسجد میں نماز کے لئے تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے دیکھا کہ قندیلوں کی روشنی نے مسجد کو بقعہ نور بنا رکھا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کے چہرہ مبارک پر بشاشت پھیل گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا:''آج مسجد میں روشنی کس نے کی ہے؟''انہوں نے ایک نہایت پاکیزہ صورت اور خوش پوش صاحب کی طرف اشارہ کیا۔رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے ان کے اس کارنامے پر بے حد مسرت کا اظہار فرمایا،بہت دعائیں دیں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم میں روشنی کی ابتداء:

یہ صاحب جنہوں نے سب سے پہلے مسجد میں روشنی کا اہتمام کیا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کو اس قدر مسرور کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم نے نہ صرف ان کو اپنی دعاؤں سے نوازا بلکہ اپنے چچا زاد بھائی کی بیٹی یعنی اپنی بھتیجی سے اُن کا نکاح بھی کر دیا۔یہ صاحب حضرت تمیمؓ داری تھے۔(خلاصۃ الوفاء)

حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ تمیمؓ داری پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد میں روشنی کرنے کی ابتداء کی۔(ابن ماجہ، باب المساجد) جس کارِ حسنہ کا آغاز کیا وہ ابدالآباد تک ان کی یاد تازہ کرتا رہے گا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعدؓ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعدؓ بن معاذ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے ہی اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس کے بعد یہ اسلام کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ سب کچھ اسلام پر قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اُحد کے میدان میں بڑی ثابت قدمی سے انہوں نے دشمن کا مقابلہ کیا۔

حضرت سعدؓ بن معاذ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے جاں نثار، عاشق اور محبّ صادق تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے افک (بہتان تراشی) کے معاملے کو لے کر عبداللہ بن ابی بن سلول نے بہت زیادہ بہتان تراشیاں کیں۔ یہ منافقوں کا سردار تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل آزاری میں اس کو بہت مزہ آتا تھا۔ ایک دن جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت اذیت ناک باتیں کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کے درمیان فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایسا ہے جو ایک دشمن خدا کا تدارک کر سکے جو میرے اہل بیت پر الزام تراشیاں کر کے مجھے اذیت پہنچاتا ہے اور یہ کہ میں اپنے اہل بیت کے متعلق اچھائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔''

یہ سن کر حضرت سعدؓ بن معاذ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بدبخت کا نام بتایئے اگر وہ میرے قبیلے کا ہے تو میں ابھی اس کی گردن مارنے کا حکم دیتا ہوں چاہے وہ میرا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔'' (صحیح بخاری کتاب المغازی، باب الافک)

2ھ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا کہ مشرکین قریش بڑی تیاری سے مدینہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انصار و مہاجرین کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ مہاجرین نے اپنی اپنی رائے پیش کی مگر انصار خاموش رہے۔ رسول کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار سوالات کرتے تھے کہ انصار کا ارادہ بھی ظاہر ہو۔ حضرت سعدؓ بن معاذ سمجھ گئے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی رائے جاننا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ شائد ہماری طرف

ہے۔ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی، اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں وہ حق اور درست ہے۔ہم نے سمع وطاعت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کے مقابلے پر جائیں اور ہم گھروں میں بیٹھے رہیں۔اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو بے دریغ کود پڑیں گے۔ہمارا ایک آدمی بھی گھر میں نہیں بیٹھے گا۔یہ کفار انسان ہی ہیں ہم ان سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔انشاء اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں میدان جنگ میں ثابت قدم پائیں گے۔'' (زرقانی جلداوّل)

بدر کے میدان میں جب کفار مکہ اور مسلمان مدمقابل ہوئے تو سعدؓ بن معاذ انصاری نے محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی نقصان نہ پہنچے اس خدشہ کے پیش نظر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! چونکہ مسلمانوں کی تعداد قریش سے ایک تہائی ہے۔سواریوں اور ہتھیاروں کی بھی کمی ہے۔اس لئے یہ بھی ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی نقصان پہنچے۔میرا خیال ہے آپ کے لئے پتھروں کا ایک چبوترہ (برجی) تیار کردیا جائے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہو کر جنگ کی کمان فرماتے رہیں، جس کے ایک کنارے پر سواری لگادی جائے اگر دشمن پر فتح حاصل ہو تو سبحان اللہ! دوسری صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو کر مدینہ تشریف لے جائیں۔

مدینہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہماری طرح موجزن ہے۔جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے گی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا نہیں چھوڑیں گے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرسایہ وہ بھی دشمنوں سے لڑیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی تلواروں کی ہیبت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کامیاب فرمائے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعدؓ بن معاذ کی اس تجویز کو پسند فرمایا، ان کے جذبہ محبت کو بہت سراہا اور ان کے لئے دعا فرمائی۔(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے چبوترہ تیار کردیا گیا)۔

(زرقانی جلداول)

5 ھ میں جنگ خندق کے موقع پر کفار عرب اپنی پوری طاقت اکٹھی کر کے مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ نے بڑی بہادری اور جاں نثاری دکھائی، کفار کی مسلمانوں سے جم کر آمنے سامنے کی لڑائی نہیں ہوئی بلکہ خندق کے دونوں طرف دونوں فوجیں تھیں، ایک دوسرے کی جانب سے تیراندازی ہوتی رہتی تھی۔ ایک روز حضرت سعدؓ بن معاذ نکلے تو ابن عرقہ حبان بن عبد مناف نے کھینچ کر تیر مارا جو حضرت معاذؓ کے ہاتھ پر لگا جس سے ان کی رگ ہفت اندام کٹ گئی، ہر طرح سے علاج کیا گیا مگر ٹھیک ہونے کی توقع نہ رہی۔

جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت معاذؓ کی خواہش تھی کہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب ہی حاصل رہے، چنانچہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کے لئے خیمہ لگا دیا گیا۔ حضرت سعدؓ اپنی زندگی سے بہت مایوس ہو چکے تو ایک دن انہوں نے جو دعا مانگی اس سے ان کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازہ ہوتا ہے۔

انہوں نے کہا: ''اے اللہ! اگر قریش سے کچھ اور لڑائیاں باقی ہوں تو مجھے ابھی زندہ رکھ، مجھے ان سے لڑنے کی بڑی تمنا ہے اس لئے کہ انہوں نے تیرے اور میرے جان سے زیادہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت اذیت دی۔ ان کی نبوت کو جھٹلایا اور وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اور اگر ان سے جنگ کا سلسلہ ختم ہونے کا وقت آ گیا ہے تو اس زخم سے مجھے شہادت عطا فرما۔''

غرض سعدؓ بن معاذ کی یہ دعا قبول ہوئی ان کا زخم پھٹ گیا جس کی وجہ سے آپؓ کو شہادت نصیب ہوئی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعدؓ کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**اھتز عرش الرحمن لیموت سعد بن معاذ** ۔ یعنی سعدؓ بن معاذ کی موت پر رحمٰن کا عرش بھی ہل اٹھا۔'' اور ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ میں شریک ہوئے۔

(صحیح بخاری جلد دوم و دیگر کتب رجال)

جب جنگ خندق کے بعد مسلمان بنوقریظہ کے محلے میں پہنچے تو بنوقریظہ نے اپنی عہد شکنی پر کوئی ندامت ظاہر نہیں کی بلکہ اُلٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخانہ باتیں کیں، چنانچہ ان کا محاصرہ کر لیا گیا جو ایک مہینے تک جاری رہا، آخر بنوقریظہ نے صلح کی درخواست پیش کی۔

حضرت سعدؓ بن معاذ اور ان کا قبیلہ بنواوس، بنوقریظہ کے حلیف تھے۔ دونوں ایک دوسرے

کو خاندانی رشتہ سے بھی زیادہ سمجھتے تھے۔ بنوقریظہ نے حضرت سعدؓ کو اپنا حکم بنانا منظور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بنوقریظہ کے یہودیوں کو ان کی عہد شکنی اور غداری کی وجہ سے سزا دینی چاہی تو انہوں نے بھی اپنا فیصلہ حضرت سعدؓ بن معاذ کے سپرد کیا۔ حضرت سعدؓ کے ان سرداروں سے اچھے مراسم تھے۔ خاندانی تعلق اور روابطہ بھی تھے اس لئے بنوقریظہ کو ان پر بڑا یقین اور بھروسہ تھا، وہ بہت خوش تھے کہ سعدؓ بن معاذ ان کے اپنے آدمی ہیں، وہ ان کو لے کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آج آپ کے دوستوں نے آپؓ کو اپنا حکم بنایا ہے۔ حضرت سعدؓ نے کہا، انشاء اللہ ان کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ سعدؓ نے فریقین سے فیصلہ کا احترام کرنے کے لئے پہلے حلف لیا چونکہ قرآن میں اس وقت تک ایسے معاملے کے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے توریت (کتاب تثنیہ، ا ح 20 آیت 10) کے مطابق فیصلہ دیا کہ ''بنو قریظہ کے تمام لڑنے والے مرد غداری کے جرم میں قتل کر دیئے جائیں۔''

(تاریخ طبری جلد 3۔ ابن ہشام غزوہ بنوقریظہ)

عشق سراپا یقین اور یقین فتح یاب:

(عشق کا سوز زمانے کو دکھاتا جاؤں)

عین وفات کے وقت ان کے سرہانے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ جان کنی کے عالم میں انہوں نے آخری بار جمال نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیا اور کہا:

السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر بلند آواز سے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ رسالت کا حق ادا کر دیا ہے۔ (مدارج النبوت جلد 2)

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دفنا کر واپس آ رہے تھے تو شدت غم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسوؤں کے قطرات ریش مبارک پر گر رہے تھے۔ (کمال ص 596 واسد الغابہ 2)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُحد کی لڑائی میں جو کافر مارے گئے تھے ان کے عزیزوں میں انتقام کا جوش زوروں پر تھا۔ اُحد کی لڑائی میں زیدؓ نے صفوان کے والد امیہ کو واصل جہنم کیا تھا۔ 3 ھ میں ایک مرتبہ عضل اور قارہ کے سات آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے کہا کہ کچھ لوگ ان کے ساتھ بطور معلم بھیج دیئے جائیں جو ان کے قبیلوں میں تبلیغ کا کام کرسکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ صحابہ کرامؓ کو ان کے ہمراہ روانہ کر دیا، ان میں خبیبؓ بن عدی، عاصمؓ بن ثابت اور زیدؓ بن دثنہ تھے۔

عضل اور قارہ کے یہ سات آدمی فریب سے ان لوگوں کو بلانے آئے تھے۔ ان لوگوں کا اصل مقصد عاصمؓ بن ثابت سے جنگ بدر اور جنگ اُحد کا انتقام لینا تھا یہ اپنے پیچھے راستہ میں دوسو مشرکوں کو گھات میں لگا کر آئے تھے۔ جب صحابہ کرامؓ کی یہ مقدس جماعت مقام رجیع پر پہنچی تو ان لوگوں نے کمین گاہ سے نکل کر انہیں گھیر لیا۔ جب صحابہؓ نے یہ حالت دیکھی تو لڑ کر شہید ہونا پسند کیا صرف زیدؓ بن دثنہ اور خبیبؓ بن عدی کو زندہ گرفتار کر لیا۔

صفوان بن اُمیہ باپ کا بدلہ لینے کے لئے بہت بے چین تھا اس لئے اس نے حضرت زیدؓ بن دثنہ کو پچاس اونٹوں کے عوض خرید لیا تا کہ اپنے باپ کے انتقام میں انہیں قتل کر سکے۔ صفوان نے اپنے قیدی زیدؓ بن دثنہ کو فوراً ہی حرم سے باہر تنعیم کے مقام پر بھیج دیا تا کہ وہاں انہیں قتل کیا جائے اور مکہ میں اعلان کروا دیا کہ آج اہل بدر کے انتقام میں ایک شخص قتل کیا جائے گا۔ اس بندہ حق کا رقص بسمل دیکھنے کے لئے ایک ہجوم وہاں جمع ہو گیا۔ اس مجمع میں مسلمانوں کا اپنے وقت کا بدترین دشمن ابوسفیان بھی موجود تھا۔ ایک بدبخت مشرک نے جب نیزے کی انی کو حضرت زیدؓ بن دثنہ کے جگر پر چبھایا اور ان کی شہادت کا وقت تھا تو ابوسفیان نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے زیدؓ! تجھے خدا کی قسم، سچ کہنا کیا تجھ کو پسند ہے کہ تیرے بدلے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن (نعوذ باللہ) ماردی جائے اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے تا کہ تو اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہے۔''

حضرت زید بن دثنہ یہ سن کر تڑپ اٹھے اور حقارت سے ابوسفیان کی طرف تھوک دیا اور کہا:
''یا ابن حرب! خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے رہوں۔'' یہ جواب سن کر قریش حیران رہ گئے۔

زیدؓ بن دثنہ کے دوسرے ساتھی خبیبؓ بن عدی سے بھی پھانسی دیتے وقت یہی سوال پوچھا گیا تو خبیبؓ بن عدی کا بھی یہی جواب تھا۔ ابوسفیان نے کہا۔''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو جتنی ان سے محبت ہے، ہبل کی قسم میں نے آج تک اس کی نظیر کہیں نہیں دیکھی، مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر رشک آتا ہے۔''

فسطاس صفوان کے غلام نے حضرت زیدؓ بن دثنہ کی زنجیر پکڑ کر زور سے کھینچی اور اس اونچی جگہ پر لے جا کر کھڑا کر دیا جہاں ان کو شہید کیا جانا تھا۔ صفوان نے آگے بڑھ کر کہا: ''زیدؓ تم کو میں نے اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کرنے کے لئے خریدا ہے لیکن میں تم کو اس شرط پر چھوڑ سکتا ہوں کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مذہب کو چھوڑ دو۔''

حضرت زیدؓ بن دثنہ نے فرمایا: ''صفوان! تم زندگی کی جتنی قیمت سمجھتے ہو ہم مسلمانوں کے لئے ان کی اتنی قیمت نہیں ہے۔ ہمارے لئے تو بس اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا اور اس کے محبوب و پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق وعقیدت رکھنا ہی ہماری زندگی کا حاصل ہے۔'' تم میری زندگی لے سکتے ہو لیکن اس عشق، عقیدت اور محبت کو میرے دل سے جدا نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد اس عاشق صادق کو شہید کر دیا گیا۔

خنجر رہزن اسے گویا ہلال عید تھا
''ہائے یثرب'' دل میں، لب پہ نعرہ توحید تھا

(صحیح بخاری باب المغازی، سیرت ابن ہشام جلد دوم)

''کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لئے''

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ثوبان ایک یمنی غلام تھے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید کر آزاد کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انہیں آزاد کیا تو فرمایا: ''ثوبانؓ! اب تم آزاد ہو، اپنی مرضی کے مالک ومختار ہو، جو تمہارے دل میں آئے کرو۔ چاہے میرے پاس رہو یا اپنے خاندان والوں میں چلے جاؤ۔''

انہوں نے معلوم کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہوں گا تو مجھے کیا ملے گا؟'' فرمایا: ''میرے اہل بیت میں شمار کئے جاؤ گے۔''

عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس سے بڑھ کر میرے لئے کیا فضیلت و عزت ہوسکتی ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہل بیت بن کر رہوں گا، میں اپنے خاندان پر ہر حال میں ترجیح دوں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر خدمت دل وجان سے بجالاؤں گا۔''

غرض آزاد ہونے کے بعد بھی انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کو پسند کیا۔ جلوت وخلوت ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ مرتے دم تک اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ ان کو خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہے اس لئے وہ عام لوگوں سے برتر ہیں۔ (مستدرک حاکم جلد 3، اسدالغابہ جلد اوّل)

جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل ہو جائے اس سے زیادہ خوش قسمت کون ہوسکتا ہے۔ ثوبانؓ نے آزادی کے بعد بھی آستانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک لمحہ کو ہٹنا گوارا نہیں کیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد انہیں مدینہ کی گلیاں کاٹ کھانے لگیں، اٹھتے بیٹھے، چلتے پھرتے ہر ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم کھائے جاتا تھا۔ اس لئے مدینہ سے شام چلے گئے۔

حضرت ثوبانؓ کو فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت زیادہ پاس تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اور وفات کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان یکساں طور پر پیش نظر رہا وہ ہمیشہ جان کے ساتھ رہا جس بات میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کا ادنیٰ سا بھی پہلو نکلتا تھا اس سے گریز کرتے تھے۔

ایک مرتبہ یہ سواری پر جا رہے تھے تو ان کے ہاتھ سے کوڑا چھوٹ کر گر گیا۔ آپؓ نے سواری روکی اور اس سے اتر کر کوڑا خود اٹھایا۔ لوگوں نے کہا یہ تو کوئی ایسا کام نہ تھا آپ ہم سے کہہ دیتے تو ہم آپؓ کو اٹھا کر دے دیتے۔ آپؓ نے جواب میں کہا۔ ''مجھ سے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کبھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کرنا، اس حکم کے بعد کسی سے کوئی سوال کروں یہ میرے لئے جائز نہیں ہے۔'' (مسند احمد بن حنبلؒ جلد 5)

نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام ہر مسلمان پر لازم ہے۔ صحابہ کرام اجمعین اس کو اولین تصور کرتے تھے اور کچھ صحابہ کرامؓ تو اس معاملے میں اتنے سخت تھے کہ وہ غیر مسلمانوں سے بھی اسی طرح کا احترام چاہتے تھے کہ وہ کسی ایسی بات کو گوارا نہیں کرتے تھے جو ان کے گمان میں نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رتبہ سے سرفراز ہو۔

یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں تو کیا ہے؟

ذرا اندازہ لگائیے کہ ایک مرتبہ حضرت ثوبانؓ خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر تھے۔ ایک یہودی عالم آیا، اس نے یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ کر آداب پیش کیا۔ حضرت ثوبانؓ اس یہودی عالم کے منہ سے خالی یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سن کر نہایت برافروختہ ہوئے اس کو زور سے دھکا دے کر کہا، ''کیا تجھے یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرح مخاطب کیا جاتا ہے؟

یہودی عالم نے گھبرا کر پوچھا: ''اے صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھ سے کیا غلطی ہوگئی ہے جو آپ نے مجھے اس طرح دھکا دیا؟''

حضرت ثوبانؓ نے کہا، ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ہم کسی بھی حال میں خالی لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سننا گوارا نہیں کر سکتے۔'' اس یہودی عالم نے کہا: ''ہم ان کو اسی نام سے پکارتے ہیں جو ان کے گھر والوں نے رکھا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثوبانؓ کو سمجھایا کہ میرا خاندانی نام تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی ہے اس لئے اس نے ایسا کہہ کر کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ وہ یہودی بھی پشیمان ہوا۔ (صحیح بخاری، مستدرک حاکم) (اسد الغابہ)

''نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی''

حضرت عمروؓ بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمروؓ بن عبسہ کا شمار ان محدود صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو بچپن ہی سے سلیم الفطرت نیک سیرت تھے جو زمانہ جاہلیت میں بھی اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جانتے تھے۔ بت پرستی سے انکار کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''اصابہ'' میں خود حضرت عمروؓ بن عبسہ سے روایت کی ہے کہ ہوش سنبھلتے ہی میں نے بتوں کی پرستش کو گردن سے اُتار پھینکا کیونکہ میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ یہ بت کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اسی دوران میری ملاقات ایک اہل کتاب سے ہوئی اس نے مجھے بتایا کہ ہمارے نوشتوں کے مطابق سرزمین مکہ سے ایک ایسے شخص کا ظہور ہونے کو ہے جو لوگوں کو بتوں کی پرستش سے منع کرے گا اور ایک اَن دیکھے معبود کی پرستش کی دعوت دے گا، ان کی شریعت تمام شریعتوں سے افضل ہوگی۔ یہ سن کر میں ہر وقت اس انتظار میں رہنے لگا کہ کب مجھے ایسے شخص کے ظہور کی اطلاع ملتی ہے۔

بعثت کے چوتھے سال جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانیہ تبلیغ حق کا آغاز فرمایا تو مشرکین کے غیظ وغضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا۔ یہی وہ لوگ تھے جو آوازِ حق سننے سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت، امانت اور اخلاق عالیہ کے دل سے معترف و مداح تھے لیکن وائے بدبختی کہ جب وہ بھلائی کی طرف بلائے گئے تو وہ خیر الخلائق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کے پیاسے ہوگئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا لیکن آفرین ہے اللہ کے ان پاک باز ترین بندوں پر کہ ہر قسم کے مصائب وخطرات کے باوجود جادہ حق پر بے مثال استقلال اور استقامت کے ساتھ گامزن رہے۔

عمروؓ بن عبسہ کہتے ہیں کہ جو شخص مکہ سے آتا ہے میں اس سے وہاں کے تازہ حالات دریافت کرتا۔ ایک دن مکہ سے آنے والے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو

لوگوں کو بتوں کی پوجا سے منع کرتا ہے اور خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے عمدہ طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھے دین کا داعی ہے۔

یہ اطلاع ملتے ہی میں ایک سانڈنی پر سوار ہو کر مکہ پہنچا، دیکھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت بلالؓ بن رباح کی معیت میں تبلیغ حق کے لئے عکاظ کے بازار میں تشریف فرما ہیں۔ جہاں ہر سال عرب کے کونے کونے سے لوگ آتے ہیں اور یہ بازار ایک عظیم میلے کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میلے میں شریک لوگوں کو دعوت توحید دیتے مشغول پایا، مشرکین کا ایک جم غفیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمسخر و مضحکہ اُڑانا شروع کر دیا۔ طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صبر و تحمل، برداشت اور بردباری کا مظاہرہ دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کا انداز دیکھا تو بے حد متاثر ہوا۔ جب ذرا تخلیہ ہوا، کفار دور چلے گئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کے بارے میں تفصیل و تعارف جانا، مجھے خاطر خواہ جواب ملا تو میں نے عرض کی:

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں، خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہوں۔ بت پرستی سے انکار کرتا ہوں، قرابت داروں سے میرا احسن سلوک میری زندگی کا لائحہ عمل ہوگا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج کل ہم لوگ جن مظالم کا ہدف بنے ہوئے ہیں ان کا برداشت کرنا تمہاری طاقت سے باہر ہے فی الحال تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ جب سنو کہ مجھے غلبہ حاصل ہو گیا ہے تو اس وقت جہاں میرا قیام ہو آ جانا۔ حضرت عمروؓ بن عبسہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے وطن لوٹ گئے۔ وہ خالی ہاتھ نہیں گئے۔ انہوں نے اپنی جھولی دین و دنیا کی نعمتوں سے بھر لی تھی۔ وہ اسلام کی نعمت عظمٰی سے بہرہ یاب ہو چکے تھے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالی کو بھی اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیا تھا اور زندگی بھر ان پر کاربند رہنے کا عہد کر لیا تھا۔

بنو سلیم کے یہ خوش بخت عمروؓ بن عبسہ تھے۔ گھر سے نکلے خالی ہاتھ، واپس لوٹے تو قسمت بدل چکی تھی۔ دولت ایمان سے مالا مال تھے۔ سعادت اندوز اسلام ہونے کے بعد حضرت عمروؓ بن عبسہ

سالہا سال تک اپنے وطن ہی میں مقیم رہے اور ہر آنے جانے والے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بدر، اُحد، احزاب اور خیبر تک کے غزوات گزر گئے۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے مدینہ منورہ کے چند لوگوں کا حضرت عمروؓ بن عبسہ کی صحرائی بستی سے گزر ہوا، حضرت عمروؓ نے حسب معمول ان سے دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کا سن کر بے تاب ہوگئے، فوراً اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ روانہ ہوگئے۔ مدینہ پہنچ کر اپنی اونٹنی کو کسی چیز سے باندھے بغیر شوق دیدار میں بے تابانہ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوگئے اور نہایت ہی ادب سے سلام عرض کرنے کے بعد یوں عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! تم وہی ہو جو چند سال پہلے مجھے مکہ میں ملے تھے اور میری رسالت کی تصدیق کی تھی۔'' (مسلم، مسند احمد بن حنبلؒ)

حضرت عمروؓ بن عبسہ نے عرض کی، ''بے شک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہی ہوں۔'' حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ اپنا تعارف کروانے کے بعد حضرت عمروؓ نے پہلا سوال یہی کیا: ترجمہ ''یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم سکھایا ہے وہ تھوڑا مجھے سکھایئے۔'' وہ قرآن مجھے بھی پڑھایئے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت عمروؓ بن عبسہ نے مدینہ آنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز، روزہ اور دوسرے دینی امور کی تعلیم حاصل کی اور پھر مستقل طور پر مدینہ منورہ ہی میں اقامت اختیار کر لی، مدینہ منورہ میں قیام کے بعد حضرت عمروؓ بن عبسہ کی اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت و وابستگی میں بے پناہ اضافہ ہوا، اکثر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گزارتے اور فیضان نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفید ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدائی ہرگز گوارا نہ تھی۔

فتح مکہ اور غزوہ طائف میں آپؓ نے شرکت کی۔ مسند احمد بن حنبلؒ میں خود حضرت عمروؓ سے روایت ہے کہ طائف کے محاصرہ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: ''جو شخص اللہ کی راہ میں ایک تیر چلائے گا اس کے لئے جنت میں ایک دروازہ کھل جائے گا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سن کر میں نے یکے بعد دیگرے سولہ تیر چلائے۔

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے حضرت عمروؓ بن عبسہ مقبولان بارگاہ الٰہی میں شامل ہو گئے تھے۔حضرت عمروؓ بن عبسہ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے مشاہدات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بڑے لطف وانبساط کے ساتھ لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، زاہد وورع، خشیت الٰہی اور حق گوئی حضرت عمروؓ بن عبسہ کے صحیفہ اخلاق کے نمایاں ابواب تھے۔اللہ اور اللہ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام سے سرمو انحراف بھی ان کو پسند نہ تھا۔خواہ جیسے ہی حالات ہوں وہ لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

حضرت ابورہم منحور غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

طائف کی لڑائی کسی حتمی نتیجے کے بغیر ختم ہوگئی تو طائف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ جعرانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں غزوہ حنین کا کثیر مال غنیمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم کرنا تھا۔

اثنائے راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جاں نثار کی اونٹنی سوئے اتفاق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بھڑ گئی اوران کے جوتے کا کنارہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ران مبارک سے رگڑ کھا گیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بہت تکلیف ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صاحب کے پاؤں پر کوڑا مار کر فرمایا: ''اپنا پاؤں پیچھے ہٹاؤ، میری ران زخمی ہوگئی ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عتاب نے ان صاحب پر لرزہ طاری کر دیا، کوڑے کی تکلیف تو خیر کیا ہونی تھی اپنی آخرت برباد ہونے کا خوف تھا۔ صبح کو جب لشکر نے جعرانہ پہنچ کر پڑاؤ ڈالا تو وہ صاحب اپنے معمول کے مطابق اونٹ چرانے نکل گئے لیکن ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہا کہ کہیں بارگاہ الٰہی سے میری حرکت کی مذمت نہ نازل ہو جائے۔ واپس آئے تو لوگوں سے پوچھا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے طلب تو نہیں فرمایا، لوگوں نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں یاد فرمایا تھا، یہ سن کر ان صاحب کی عجیب کیفیت ہوئی، انہیں یقین ہو گیا کہ وہ راندہ بارگاہ ہو گیا۔ لرزاں و ترساں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے لئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر نہایت محبت اور شفقت بھری نظر ڈالی اور فرمایا: ''تمہارے جوتے سے میری ران میں خراش آ گئی تھی اس پر میں نے تمہارے پاؤں کو کوڑے سے ہٹایا تھا۔ میرے کوڑے سے تمہیں ضرور تکلیف پہنچی ہو گی اس کے عوض یہ بکریوں کا ریوڑ لے لو۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کریمی دیکھ کر ان صاحب کے جسم کا انگ انگ ''اللہ اکبر'' پکار اٹھا، فرط مسرت سے ان کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے اور وہ بار بار کہتے تھے آج مجھ

سے بڑھ کر خوش نصیب کون ہے، میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف مجھے معاف فرما دیا بلکہ اپنے خاص لطف وکرم سے بھی نوازا۔

(خیرالبشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثارؓ، طالب ہاشمی ص214)

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ محبّ صادق سیدنا ابورہمؓ منحور انصاری تھے۔ 3ھ میں اُحد کی لڑائی پیش آئی تو ابورہمؓ اس میں بڑے جوش وخروش سے شامل ہوئے۔ نہایت بہادری و پامردی سے لڑے۔ عین معرکہ کارزار میں ایک تیر سینے پر آ کر لگا جس سے سخت زخمی ہو گئے، علامہ ابن سعدؒ کاتب الواقدی کا بیان ہے کہ لڑائی کے بعد انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان کے زخم پر لگا دیا جس کی برکت سے زخم مندمل ہو گیا۔ چونکہ سینے کو نحر کہتے ہیں نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نحر پر لعاب دہن لگایا تھا، اس لئے وہ لوگوں میں "منحور" مشہور ہو گئے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے ابورہمؓ کو اعلیٰ درجے کے اوصاف ومحاسن سے نوازا تھا۔ انہی کی بدولت وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطف وکرم کے مورد بن گئے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت شماسؓ نہایت حسین وخوبرو تھے۔ چنانچہ اسی تابانی رُخ نے انہیں شماس کے نام سے مشہور کیا۔(شماس معنی نہایت حسین وخوبرو)(طبقات ابن سعد)

حضرت شماسؓ بن عثمان اور ان کی والدہ صفیہ بنت ربیعہ نے شروع ہی میں دعوت توحید پر صدائے لبیک بلند کیا تھا۔(استعیاب تذکرہ شماسؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر قائم رہنے کے لئے بڑی مصیبتیں اور مظالم برداشت کرنا پڑے۔ مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے مجبور ہو کر راہی حبش ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زبردست شیدائی تھے۔ اُحد کے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ بڑی جاں بازی اور پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، جب جنگ کا پانسہ اچانک پلٹا، غازیان اسلام کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور صرف چند جاں نثار میدان میں رہ گئے تو حضرت شماسؓ بن عثمان بھی ان ہی پروانوں میں تھے جو شمع نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد فداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کے نرغہ میں آ گئے تو حضرت شماسؓ پروانہ وار شمع نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہونے کے لئے تیار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چپ وراست جس طرف دیکھتے حضرت شماسؓ ہی سربکف نظر آتے۔ غرض انہوں نے اپنے آپ کو مہبط وحی والہام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سپر بنا دیا، اکثر صحابہ کرامؓ کے قدم لڑکھڑا گئے تو شماسؓ ثابت قدم رہے۔ اس شیدائی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ بے تاب و بے قرار سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد چکر لگاتے رہے۔ کفار جس طرف سے حملہ کرتے تھے یہ گھوم کر اسی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ جاتے تھے اور مقابلہ کر کے دشمن کو پسپا کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔

اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا کہ شماسؓ بے ہوش لاشوں کے درمیان پڑے ہیں۔ زندگی کی تھوڑی سی رمق باقی ہے۔ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اٹھا کر مدینے لائے